تذکرہ

مجاہدِ اسلام ناصرِ تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

بھرچُونڈی شریف

نفحاتُ الرحمٰن

سیّد محمدؐ فاروق القادری

حافظ الملّت اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ

نام کتاب : نفحات الرحمٰن

مصنّف : السیّد محمد فاروق القادری (ایم اے)

ناشر : حافظ الملّت اکادمی بھرچونڈی شریف

کتابت : شبیر دھریجہ

بار اوّل : ایک ہزار

پرنٹر : حسین عظیم پرنٹنگ پریس خانپور

سن اشاعت : جون ۱۹۹۴ء

قیمت 150 روپے

نذرِ سیّد بنامِ سیّد

امام الاحرار، مجدّد سلسلہ عالیہ قادریہ شیخ المشائخ
السیّد محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ (روضہ دھنی)
کے
سجادۂ مشیخت اور چمنستانِ حرّیت کے گلِ سرسبد، سیاستِ دوراں
کے کوہِ بلند نشان، سکندرِ مملکتِ فقر و عرفان
اعلیٰحضرت الشاہ مردان شاہ (پیر پاگارا ہفتم) بالقابہ
کے نام
جن کی ذاتِ گرامی اس مصرعہ کی مصداق ہے
ع اے کہ مجموعۂ خوبی! بچہ نامت خوانم

نذر گذار
السیّد محمد فاروق القادری (ایم اے)
آستانہ قادریہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خان
بہاولپور ڈویژن
۱۵ رجون ۱۹۹۴ء

فہرست مضامین

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اقبالؒ

اے تیری آواز آوازِ خدا — اور خاموشی تیری رازِ خدا
تھے لبِ شیریں بہائے فرات — اس لیے ہر بات تھی آبِ حیات
جو حکایت، جو مثل، جو بات تھی — عالمِ معنیٰ کی اک سوغات تھی

سالہا در کعبہ و بتخانہ مے نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

پیش لفظ

در خرمنِ کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

ہوا و ہوس اور مادہ پرستی کے اِس دورِ ناہنجار میں خدا شناسی خدا رسی، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں۔ اگر اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس یا کم از کم مردانِ خدا کی محبت نصیب ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ دانشورانِ عالم کے نزدیک ہر دور میں انسان کو فرد اور معاشرہ کیلئے سود مند اور بہتر انسان بنانے کی تحریک سے زیادہ مبارک اور بہتر اور کوئی کام نہیں۔

انسانی تاریخ میں جہاں جہاں ایسے مصلحین کی مساعئ جمیلہ اور اس راہ میں انہیں پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں پھر اُن کی ثابت قدمی اور استقلال کے مناظر آنکھوں کے سامنے آتے ہی تو ان کے لیے تشکر و امتنان کے جذبات اُبھرتے اور ان کیلئے محبت و عقیدت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ایک انسان کو تربیت دینا اور سکھانا جانوروں کو سدھانے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ انسانوں سے بھری ہوئی اِس دنیا میں بہتر انسان کی تلاش اور اس کی صحبت کی لذت سے بڑھ کر غالباً اور کوئی نعمت نہیں ہے۔

ایک خاص بات جو آپ کو بیشتر خانوادگانِ فقر سے امتیازی حیثیت عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی جماعت میں جہاد کی اسپرٹ پیدا کی۔ آپ کی جماعت عملاً مجاہدین کی جماعت ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید علی مکی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۰ھ مطابق ۱۱۲۷ء عباسی دورِ حکومت میں مکہ معظمہ سے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں سندھ میں تشریف لائے۔ آپ کی نسل میں منبع رشد و ہدایت حضرت سید محمد راشد علیہ الرحمۃ نے بڑا نام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر خصوصی کرم فرمایا۔ آگے کئی نسلوں تک بلکہ موجودہ دور تک آپ کے اخلاف آپ کی زاہدانہ اور مجاہدانہ وراثت کے مکمل امین رہے ہیں۔

اس خاندان کی کوششوں سے لاکھوں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جودھ پور، بے پور، جیسلمیر اور بیکانیر (راجستھان) میں سات لاکھ اور پاکستان میں بیس لاکھ کے قریب افراد نے اس خاندان کے ہاتھ پر جہاد کیلئے بیعت کی۔

اعلیٰ حضرت سید محمد راشد علیہ الرحمۃ کی ذات سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کو نئی زندگی مل گئی۔ آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء نے اصلاح اخلاق و اعمال کے ساتھ ساتھ انگریزی سامراج کے خلاف جو تاریخی جدوجہد کی کم از کم برصغیر کی تاریخ تصوف اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ خاندان برصغیر میں اسلام کا مبلغ رہا ہے اس کی ایک سو سالہ تاریخ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ جنگی کارناموں سے لبریز ہے۔

اس خاندان نے اپنی جماعت کو صحیح اسلامی خطوط پر چلایا اور اس میں مجاہدانہ جذبۂ جہاد پیدا کیا۔ یہ خاندان ہمیشہ غیر اسلامی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔ یہ خاندان اسلامی اخوت اور قومی اتحاد کا پاسبان ہے اس میں ملک کی نظریاتی اور علاقائی سرحدوں کی حفاظت کا جذبہ اور حوصلہ موجود ہے۔

خالی کتابیں پڑھ لینے سے اگر تہذیب اور شائستگی ضروری ہوتی تو دنیا کی تعلیم یافتہ اور متمدن قومیں ظلم و بربریت کا وہ مظاہرہ نہ کر رہی ہوتیں جو دنیا کے نقشے پر ہم دیکھ رہے ہیں۔

اسلام کا یہ اعجاز ہے کہ جہاں اس نے زندگی کے مختلف اور متنوع محاذوں پر ہر دور میں تازہ دم اور انتہائی مستعد جماعتیں مہیا کی ہیں۔ مثلاً میدانِ جہاد کیلئے غازی اور مجاہد، درس و تدریس کیلئے علماء و فضلاء، قرآن مجید کی حفاظت کیلئے حفاظ، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو محفوظ رکھنے کیلئے محدثین، علوم قرآنی کیلئے مفسرین، سیاست کیلئے سیاستدان وغیرہ ٹھیک اسی طرح کردار سازی اور عظمت انسانی کے بلند ترین معیار کو قائم رکھنے کی خاطر قرن اول سے اس نے ایک ایسی جماعت پیش کی ہے جو اپنے بلند اخلاق جذبۂ خدمت، حریتِ فکر، سادگی، قناعت پسندی اور بیشمار ظاہری و باطنی خوبیوں کی بناء پر انسانی تاریخ کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسے نفوسِ قدسیہ کی تعداد لاکھوں میں ہے تاہم جن بڑے بڑے مشائخ صوفیا نے تاریخ کے دھارے بدلے ہیں یا نئی تاریخ رقم کی ہے ان میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ، مجدد سلسلۂ عالیہ قادریہ منبع رشد و ہدایت السید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ (صاحب الروضہ پیر پاگارا م ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء) کی ذات گرامی بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھیؒ آپ اس دیار میں علمی اور روحانی طور پر تقریباً وہی شہرت اور مرتبہ رکھتے تھے جو ان کے معاصر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا شمال مغربی ہندوستان میں تھا۔[1]

---

[1] پرانے چراغ: ۱۴۷ مولانا ابوالحسن علی ندوی

اسی خاندان کے فیض یافتگان میں حافظ الملت، صدیق الامت، سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (بھرچونڈی شریف) کی ذاتِ گرامی انتہائی ممتاز مقام کی حامل ہے آپ کی نگاہِ دور رس اور سیاسی تدبر و بصیرت نے اپنی مجاہدانہ تربیت سے ایسے ایسے انقلابی انسان تیار کیے جنہوں نے آگے چل کر سندھ کی بمبئی سے آزادی انگریزی استبداد کے خلاف جہادِ حریت اور بالآخر دو قومی نظریہ کی بنیاد پر آزادیٔ وطن اور حصولِ پاکستان کی تحریکوں کا جھنڈا لہرایا اور صرف برصغیر میں ہی نہیں بلکہ افغانستان ایران، ترکی اور روس تک جا کر ان تحریکوں کی قیادت سنبھالی اور دنیائے اسلام میں بیداری کی لہر پیدا کی.

آپ نے خانقاہی نظام میں پیدا ہو جانے والی تمام بدعات و رسوم کا قلع قمع کیا اور اس میں نکھار پیدا کیا. اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبولیت و محبوبیت کا ایسا بلند درجہ عطا فرمایا جہاں جید علمائے کرام، مفتیانِ وقت، متشدد مزاج علماء، جابر زمینداران اور خوانین اور عوام الناس نے ایک دوسرے سے بڑھ کر عقیدت کی گردنیں جھکائیں. اس آخری دور میں آپ مرجعیت کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے.

آپ نے خانقاہی نظام کے بعض معمولات میں مجتہدانہ انداز میں تبدیلیاں کیں آپ نے اپنی خانقاہ "بھرچونڈی شریف" کو ایک ادارہ اور تحریک کی شکل دی. بھرچونڈی شریف نے اپنی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں دینی و ملی خدمات کے لافانی نقش ثبت کیے.

زیرِ نظر کتاب "نفحات الرحمٰن" اسی خاندان کے گل سرسبد شیخ المشائخ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ ۱۳۰۸ھ - ۱۳۸۰ھ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل تذکرہ ہے. اس میں آپ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں، ذوقِ عبادت، روحانی واردات

اور ہمہ جہت اصلاحی اقدامات کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کی ولولہ انگیز قیادت کی جھلکیاں، سندھ کو بمبئی سے آزاد کرانے اور ہندو بالادستی کے خاتمے کے لیے آپ کی مساعی کا تاریخی جائزہ اور آپ کی معاصر روحانی، علمی اور سیاسی تاریخ کا عکسِ جمیل سمٹ کر آ گیا ہے نیز اس بات کی تردید کہ فقر و تصوف شریعت سے کوئی علیحدہ چیز ہے.

مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ قرنِ اوّل کی تصویر تھے آپ کی زندگی کے چند نمایاں پہلو یہ تھے.

- حافظ الملت سے وراثت میں ملی انگریز سے نفرت ● ہندوؤں سے بے تعلقی
- اسلام کیلئے ہر وقت سربکف رہنا ● تحریک پاکستان میں ولولہ انگیز جدوجہد
- اتباعِ سنت کا مثالی اور بلند ترین معیار ● رسوم و رواج اور بدعات کے خلاف عملی اقدامات ● سلسلۂ عالیہ قادریہ کے معمولات پر سختی سے عمل.

راقم السطور کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ پوری شرحِ صدر سے کہہ سکتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے شیخ کی جو بھی کڑی سے کڑی شرائط رکھی جائیں یا جو بھی بہتر سے بہتر معیار مقرر کیا جائے مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہر لحاظ سے اس پر پورے اترتے تھے.

نامور اہلِ قلم میر حسان الحیدری ایک مضمون میں لکھتے ہیں.

"حضرت پیر محمد عبد الرحمٰن المعروف بھورل سائیں رحمۃ اللہ علیہ خانوادۂ حافظ الملت کے وہ گل سرسبد تھے جس کی خوشبو چار دانگِ عالم میں پھیلی وہ اس "ہمہ خانہ آفتاب" گھرانے کی ایسی کرن تھے جس کی ضیا پاشیوں سے پورا برصغیر چمک اٹھا. بقول سائیں خانقاہ بھرچونڈی شریف کی تحریک کے امام ہی نہیں تھے بلکہ زوال پذیر چودھویں

صدی ہجری میں تحریک احیائے اسلام کے علمبردار اور پاکستان کے حقیقی معماروں اور
بانیوں میں سے تھے ان کی زندگی سراپا علم وعمل اور ان کا پیکر عشقِ رسول کا امین
تھا۔ محبت رسالتمآب علیہ السلام اور اتباعِ سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
ان کو خاندانی ورثے میں ملی تھی جو زندگی بھر ان کا اوڑھنا بچھونا رہی۔[1]

میں نے اس کتاب میں شخصی اور انفرادی باتوں پر ان واقعات کو زیادہ
ترجیح دی ہے جن کا واسطہ ملتِ اسلامیہ یا اس کے اجتماعی مفادات اور امور سے
ہے۔ شخصی خوبیاں یقیناً اہمیت کی حامل ہیں مگر شخصیات کا دور گزر چکا اب وہی
شخصیت، نظریہ یا کارنامہ اہمیت کا حامل ہے جس کا رُخ معاشرے یا عوام کی
طرف ہے بحمداللہ صاحبِ تذکرہ کی پوری زندگی اسی فکر کی عکاس ہے۔

شمع کی طرح جئیں کارگہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

گذشتہ پچاس ساٹھ سال کی تاریخ کو سمیٹنا آسان کام نہ تھا۔ سارا
مواد کسی ایک جگہ اکٹھا موجود نہ تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ کتاب میں بعض جگہ
قارئین کو کمی کا احساس ہوگا گر اسے ہماری معذوری پر محمول کرنا چاہیئے۔ قلتِ
وسائل کے باعث اس طوفانی دور کی تاریخ کے سارے گوشوں تک میری رسائی
ممکن نہ ہو سکی۔ تاہم میں نے اپنی سی بھرپور کوشش کی ہے کہ تمام ضروری چیزیں
آجائیں۔ کتاب میں کشف وکرامات اور خوش عقیدگی کی دوسری روایتیں موجود نہیں

---

[1] پیشِ لفظ ذکر میلاد النبیؐ کی مقدس محفلیں: ۲۰ میر حسان الحیدری

ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ میرے نزدیک
یہ چیزیں انفرادی حوالے ہیں۔ اجتماعیت اور معاشرے کو ان کی چنداں ضرورت
نہیں ہے۔ بحمداللہ مختلف اسلامی اور دینی موضوعات پر میں خاصے صفحے سیاہ
کر چکا ہوں۔ مگر اپنے مرشدِ طریقت کے حالاتِ زندگی اور آپ کی زرّیں اسلامی وملی
خدمات پر یہ کتاب لکھ کر میں اپنے اندر خوشی ومسرت کی جو کیفیت پا رہا ہوں وہ
الفاظ کا لبادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ عرصہ دراز سے میں اپنے ذمے یہ قرض محسوس
کر رہا تھا جسے آج ادا کر کے میں اپنے آپ کو سبکبار سمجھ رہا ہوں۔ میرے لئے یہی
نسبت کافی ہے۔

فی الجملہ نسبت بہ تو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

آخر میں فخر المشائخ حضرت پیر عبدالخالق صاحب سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ
بھرچونڈی شریف کی علم دوستی اور اپنے بزرگوں کے کارناموں سے محبت اور انہیں
عام کرنے کی تڑپ کا ذکر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے اسی جذبے نے مجھ سے
کم ہمت اور کم نویس شخص سے یہ کام کرایا۔ جزاہم خیر الجزا۔

میں تمام مسلمانوں بالخصوص بھرچونڈی شریف کے سلسلۂ قادریہ سے نسبت
رکھنے والے دوستوں سے اپنے حق میں دعائے خیر وعافیت کی اپیل کرتا ہوں۔

خاکِ راہ
فقیر سید محمد فاروق القادری
خانقاہِ عالیہ شاہ آباد شریف
گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں

۱۸ مئی ۱۹۹۴ء

باب اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حکایت از قدِ آں یارِ دلنواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

مجاہدِ اسلام ناصرِ تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق سنہ ۱۸۹۱ء میں سمیجہ قوم کے ایک ایسے معتبر اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے جو علم و معرفت، اپنی دینی و ملّی خدمات اور اتباعِ سنّت کے اعتبار سے ملک گیر شہرت حاصل کر چکا تھا۔ آپ کے جدِّ امجد جنیدِ وقت سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کے ایک کوردِہ قصبے بھرچونڈی میں علم و معرفت کی جو جوت جگائی تھی اس کی روشنی سندھ و پنجاب سے نکل کر برصغیر کے دور دراز علاقوں کو منور کر رہی تھی۔ بھرچونڈی شریف ہند و سندھ کے طالبانِ حق کا مرکز بن چکا تھا۔ مستند روایات کے مطابق تین لاکھ آدمیوں نے جنیدِ وقت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنی زندگیاں

اسوۂ رسول کے قالب میں ڈھالنے کا عہد کیا۔ بارہ بزرگ خلافت سے نوازے گئے جنہیں آگے تبلیغِ دین، محبتِ الٰہی اور اعلیٰ انسانی اقدار کی تبلیغ و ترویج کی خدمات سونپی گئیں۔

معروف عالمِ دین اور تحریکِ آزادی کے نامور مجاہد مولانا تاج محمود امروٹی، زبدۃ السالکین خلیفہ غلام محمد دین پوری، سرتاجِ صوفیاً خلیفہ مولانا عبدالغفار خانگڑھی، سرخیلِ صوفیاً سید محمد جعفر شاہ بخاری، مجاہدِ آزادی مولانا عبیداللہ سندھی ایسے سینکڑوں علم و معرفت اور حریت و آزادی کے شمس و قمر بھرچونڈی شریف کی خاک کو کحل البصر اور اس کے نانِ جویں کو مائدۂ بہشت سمجھتے ہوئے اِس قبلۂ شوق اور کعبۂ انجذاب کے طواف میں مصروف تھے۔

آپ کے والدِ گرامی شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ جو جنیدِ وقت سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر آپ کے جانشین قرار پائے۔ خود روحانیت کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت حافظ الملّت نے اپنی سرپرستی میں مکمل کرائی۔ حافظ الملّت کے جانشین اور اُن کے مشن کے علمبردار نے اُن کے اسلامی اور تاریخی مشن کو جس طرح آگے بڑھایا اور اُسے کامیابی سے ہمکنار کیا اُسے ہم برصغیر کی ملّی اور اسلامی تاریخ کے روشن صفحات میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی بلا مبالغہ وہ ایک ایسا دینی، اسلامی اور روحانی ماحول تھا جسے عہدِ صحابہ کے علاوہ کسی اور زمانے سے تشبیہہ نہیں دی جاسکتی۔

اس وقت بھرچونڈی شریف[۱] کا معاشرہ اور ماحول ٹھیک انہی بنیادوں پر

۱۔ بھرچونڈ سمہ قبیلہ کا ایک مشہور باڑہ (شاخ) ہے چونکہ حضرت حافظ الملت (باقی اگلے صفحہ پر)

استوار تھا جو حافظ الملتؒ نے اس کے لیئے قائم کی تھیں۔ اِس ماحول اور معاشرے کی دُنیا ہی نرالی تھی۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت وسیرت عملی شکل میں موجود تھی۔ عام خانقاہی معمولات کے برعکس یہاں پر مدار و معیار صرف اور صرف کتاب و سنّت تھی۔ اس وقت تین چار سو کے قریب ایسے خدامست درویش موجود تھے جو اصحابِ صفہ کی اقتداء میں مسجد میں رہتے۔ لنگر کے معمولی دال ویلے یعنی قوت لایموت پر گزارہ کرتے مگر بالنہار فرسان "وفی اللیل رہبان" (یہ لوگ دن کے وقت مجاہد اور رات کے وقت راہب ہوتے ہیں۔) کا نظارہ پیش کرتے۔ تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور حضورِ مرشد کے علاوہ انہیں کسی چیز سے واسطہ نہ ہوتا۔ ان میں سے بیشتر اُمی مگر نگاہِ مُرشد کے طفیل فرائض، سنن، واجبات، مستحبات، حلال وحرام، نماز روزہ کے باریک مسائل حتیٰ کہ وراثت اور فرائض کے مسائل کے ایسے عالم کہ علماء بھی زبان سنبھال کر بات کریں۔

والد غوثِ زماں ہادیٔ گمراہاں حافظ محمد عبداللہ والد ماجد حافظ قرآن اور عارف ماحول سیدالعارفین کا پیدا کردہ اس میں جو بابرکت بچہ پلا بڑھا ہو گا اس کا اندازہ ناظرین بآسانی کر سکتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہؒ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ایک کمسن بچہ گود میں دیتے ہوئے فرمایا عبداللہ!

(بقیہ حاشیہ) کا تعلق سمہ قبیلہ کی اسی شاخ سے تھا اس لیئے آپ کا مسکن بھرچونڈی کے نام سے موسوم ہوا۔

کو سنبھالو! ایک وقت آئے گا کہ بڑے بڑے قہرمان وقت اس کے سامنے اپنی پیشانیاں جھکائیں گے اور اس کے پاؤں کی خاک کو بطورِ تبرک باہم تقسیم کریں گے۔

تعلیم و تربیت

عمر چار سال کو پہنچی تو حضرت شیخ ثانی نے حافظ الملت کے مزار مبارک کے پاس بیٹھ کر رسم بسم اللہ ادا کرائی اس موقع پر جماعتِ فقراء میں زبردست خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا۔ جانور ذبح کیئے گئے مولود خوانی ہوئی اور فقراء نے ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔

آپ نے قرآن مجید ناظرہ پڑھا مگر تراویح کی جماعت میں حافظ قرآن کو غلطی لگتی تو اس کی درستی کر لیتے تھوڑے عرصے میں قرآن مجید ختم ہو گیا۔ آپ تلاوت کرتے تو الفاظ موتیوں کی طرح گرتے۔ آواز باٹ دار مگر سوز و درد میں ڈوبی ہوئی تھی قرآن مجید شروع کرتے تو سخت سے سخت دل موم بن کر پگھل اُٹھتے۔

قرآن مجید کی تعلیم مکمل ہوئی تو حسبِ دستور فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں شروع ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے علاقہ کے معروف عالم دین عمدۃ الفضلاء مولانا علی شیر لک پوری سے حاصل کی۔

حضرت مولانا علی شیر لک پوری علیہ الرحمۃ

آپ لک پور (بھرچونڈی شریف ڈہرکی سے دو میل کے فاصلے پر واقع

شمال مشرق میں ایک قصبہ) کے رہنے والے تھے۔ دینی علوم کی تکمیل راجن پور (تحصیل اوباڑو کی مشہور علمی بستی) کے استاذ العلما مولانا یار محمد صاحب سے کی۔ تکمیل کے بعد آبائی گاؤں لک پور میں دینی علوم کی درس گاہ قائم کی چنانچہ یہاں آپ سے یہاں بیشما علما نے فیض حاصل کیا۔ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ عالم باطنی کی نعمت سے بھی مالا مال تھے آپ کو تمام دینی علوم پر یکساں مہارت حاصل تھی مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمن علیہ الرحمۃ آپ کے پاس زیرِ تعلیم رہے۔ سات آٹھ ماہ کا عرصہ آپ بھرچونڈی شریف میں بھی قیام پذیر رہے۔ ۱۹۴۲ء میں واصلِ بحق ہوئے مزار مبارک لک پور کے قبرستان میں ہے۔

استاذ العلما مولانا نور محمد چاچڑ

اس کے بعد آپ کچھ وقت مشہور مردم خیز قصبے راجن پور کے نامور علمی گھرانے کے چشم و چراغ مولانا نور محمد چاچڑ علیہ الرحمہ کے پاس پڑھتے رہے مولانا نور محمد صاحب کو شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کے ساتھ بھرچونڈی شریف میں ٹھہرا لیا تھا جہاں آپ حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ درجن بھر بڑی کتابوں والے طلبا کو بھی پڑھاتے تھے آپ ۱۹۳۹ء میں واصل بحق ہو کر گھوٹکی میں دفن ہوئے۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ سرخیل اصفیاء حضرت سید سردار شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف آ گئے چنانچہ آپ نے حضرت موصوف ہی سے تعلیم باقاعدہ شروع کر دی۔

رئیس الاصفیا حضرت سید سردار شاہ بخاری علیہ الرحمۃ

آپ سادات کے مشہورِ عالم بخاری خاندان کی ایک نہایت معزز اور معتبر شاخ کے فردِ فرید تھے۔ آپ کے والدِ گرامی حضرت سید محمد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے نامور ولی اللہ اور انتہائی مستجاب الدعوۃ بزرگ تھے۔ آپ گڑھی اختیار خاں (بہاول پور) کے عباسی نواب سردار علی گوہر خاں مرحوم کی استدعا اور خواہش پر گڑھی اختیار خاں میں آباد ہوئے۔ ان نوابوں کے بیشتر اہلِ خانہ آپ سے شرفِ بیعت رکھتے تھے۔

سید العارفین جنیدِ زمانہ حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ گڑھی اختیار خاں کی تاریخی جامع مسجد کی زیارت کے لیے اس قصبے میں تشریف لائے تو نواب علی گوہر خاں عباسی نے بصد اصرار آپ کو اپنے مرشد سید محمد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملوایا۔ نمازِ فجر کے بعد ظہر کی اذان تک دونوں بزرگوں میں علم و معرفت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس قران السعدین نے دونوں خاندانوں میں محبت و مودت کے جو بیج بوئے وہ بحمد اللہ آج تک سرسبز و شاداب ہیں۔

حضرت سید سردار شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین، کئی زبانوں کے ماہر، نغز گو شاعر، شب بیدار درویش اور فقیر دوست بزرگ تھے۔ آپ نے مختلف اوقات میں سات سال کا عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا۔ دورۂ حدیث اور فصوص الحکم کا درس استاذ العلما ملاذ الفقہا مولانا عبدالباقی لکھنوی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حرم نبوی میں بیٹھ کر حاصل کیا۔ مولانا لکھنوی کی خصوصی نظرِ عنایت شاملِ حال تھی چنانچہ آپ

نے حضرت سید سردار شاہ علیہ الرحمۃ کو اپنے ہاتھ سے اجازتِ بیعت اور سندِ خلافت لکھ کر دی۔

آپ کو بارگاہِ نبوی میں خصوصی قرب حاصل تھا۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی بلا تکلف روضۂ مقدسہ کے مواجہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے۔ اسی وقت ضرورت پوری ہو جاتی۔ راقم کے والد گرامی حضرت سید معفو القادری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی بار دو سال کے بعد آپ دیارِ رسول سے واپس آئے تو سیدھے اپنے مرشد کے حضور بھرچونڈی شریف پہنچے۔ اس وقت آپ کے بدن پر کھدر کے تین کپڑے پاؤں میں معمولی چپل اور کھدر کی ایک چادر کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت شیخ ثانی کی قدم بوسی حاصل کی۔ تو آپ نے جماعتِ فقراء سے فرمایا "شاہ صاحب کے سامان کی خبر گیری کرو۔" آپ نے فرمایا حضور! میرا سامان تن کے یہی کپڑے ہیں اور کوئی چیز میرے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ نے خوش ہو کر پیشانی چومی اور فرمایا سچے فقیر کی شان یہی ہے کہ

"با دنیا و اہلِ دنیا کارے ندارد"

حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے آپ سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا بیان کیا جاتا ہے کہ استاد و شاگرد ایک جگہ جمع ہوتے تو دنیا کو بھول جاتے بعض اوقات پورا دن اور بعض دفعہ تو آنے والی رات بھی ان کی وسعتوں کا ساتھ نہ دے سکتی۔ اس دوران کسی تیسرے شخص کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یوں خدا کے یہ دو مقبول بندے علم و روحانیت کے افادے اور استفادے میں مصروف رہتے آپ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۱ء ۱۱ شعبان المعظم کو واصل بحق ہوئے مزارِ پُر انوار

آستانہ قادریہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خان میں ہے۔ مزار پر بلند و بالا ہشت پہلو روضہ تعمیر کیا گیا ہے۔

منفرد قسم کے استاد و شاگرد کی یہ نورانی مجلسیں جاری تھیں کہ حضرت سید سردار شاہ علیہ الرحمۃ کو دیارِ حبیب کا بلاوا آ گیا آپ نے مدینہ طیبہ کیلئے رختِ سفر باندھا اس دوران اچانک پنجاب کے ایک نامور عالمِ دین سیر و سیاحت کرتے ہوئے بھرچونڈی شریف آ نکلے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے فرستادۂ غیب سمجھتے ہوئے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور ان سے اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا۔

استاذ العلماء مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ ضلع سرگودھا کے مشہور قصبے کُفری کے رہنے والے تھے علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے آپ کے اکابرین مغلیہ دور میں منصب قضا پر فائز رہے تھے اسلیئے قاضی کہلاتے تھے۔ آپ کے بھائی قاضی رکن الدین بھی درس و تدریس کرتے تھے۔

مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب کے مختلف مدارس میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ فقہ اور منطق و معقولات میں آپ کو ماہرانہ دسترس حاصل تھی۔ فقہ کی باریک سے باریک جزئیات پر وہ عبور تھا کہ باید و شاید۔ تقویٰ و طہارت کا پیکر تھے۔ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے بھرچونڈی شریف وارد ہوئے مگر حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ کی محبت نے ایسا گلوگیر کیا کہ نہ صرف اپنا سب کچھ قربان کر کے بیعت ہو گئے بلکہ عمرِ عزیز کے بقیہ چالیس برس بھی آستانۂ شیخ کی جاروب کشی اور صاحبزادگان کی تعلیم و تربیت میں گزار دیئے۔

اپنے مرشد کی خانقاہ کے ادب کا یہ عالم کہ عمر بھر طہارت کیلئے بھرچونڈی شریف سے تقریباً نصف کلومیٹر دور واقع نہر جو چھوٹا واہ کے نام سے مشہور ہے کو عبور کر کے آگے تشریف لے جاتے حدیہ کہ پیشاب کی خاطر بھی یہ فاصلہ طے کرتے۔

آپ مسجد کے صدر دروازے والے قبہ نما حجرے میں رہتے اسی لیئے مولوی صاحب قبہ والے کے نام سے مشہور تھے حجرے میں دو جوڑے کپڑے، معمولی برتنوں اور سونے کے لیئے چٹائی کے بستر کے سوا اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ گویا آپ ترک دنیا اور زہد کی مجسم نشانی تھے۔ دن تعلیم و تدریس میں گزرتا اور رات نوافل اور ذکر الٰہی میں، آپ علمائے حق کی زندہ تصویر تھے۔ موسم گرما میں مرشد کے روضۂ عالیہ کے نزدیک پختہ فرش پر اینٹ سرہانے رکھ کر یہ درویش سوتا۔ تو چہرے سے بادشاہوں کی سی بے نیازی ٹپکتی۔ مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ نے حدیث اور فنون کی آخری کتابیں آپ کے پاس پڑھیں۔

آپ ۱۹۵۹ء میں واصل بحق ہو کر اپنے گاؤں کفری میں مدفون ہوئے۔

چونکہ بھرچونڈی شریف کا میکدۂ عرفان دور دور تک دعوت مے و نوش دے رہا تھا اس لئے اہل علم، ارباب طریقت، متلاشیان حق اور سالکان راہ خود بخود کھنچے چلے آرہے تھے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ مولانا عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آخری کتابیں پڑھ رہے تھے کہ نامور فقیہ استاذ العلماء حضرت مولانا سراج احمد صاحب مکھن بیلویؒ بھرچونڈی شریف تشریف لائے۔ علوم فقہ اور میراث میں آپ کی شہرت اور قابلیت مسلمہ تھی۔ حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھرچونڈی شریف میں قیام پر راضی کر لیا۔

سراج الفقہاء استاذ العلماء حضرت مولانا سراج احمد مکھن بیلویؒ

آپ سابق ریاست بہاولپور کے قصبہ مکھن بیلہ کے ایک ممتاز علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ سابق ریاست بہاولپور کے بہت سے جید علماء آپ کے شاگرد ہیں ابتدا میں اپنے آبائی قصبے مکھن بیلہ میں درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ آپ درویش منش، خدا دوست، متوکل، صابر و شاکر، انتہائی سادہ مزاج مگر متبحر عالم دین تھے۔ معروف صوفی بزرگ اور سرائیکی زبان کے امرا القیس حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کو فقہ پر ایسا عبور حاصل تھا کہ مخالفین بھی اس کے قائل تھے بالخصوص علم میراث (علم الفرائض) میں آپ کو جو دسترس حاصل تھی اس دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ علم فرائض کے بعض مسائل کے سلسلے میں فاضل بریلوی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کی خط و کتابت ہوتی رہی۔ فاضل بریلوی نے اس فن میں آپ کی مہارت کو سراہا۔ غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ نے آپ کو "سراج الفقہاء" کا لقب دیا۔

آپ نے علم فرائض میں "الزبدۃ السراجیہ" کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے آپ کے فتوے متحدہ ہندوستان کے کونے کونے میں جاتے اور ہر جگہ عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کافی عرصہ تک دربار عالیہ بھرچونڈی شریف میں مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ کو فقہ اور علم الفرائض کی آخری کتابیں پڑھاتے رہے۔

آپ ۱۹۷۲ء مطابق ۱۳۹۲ھ واصلِ بحق ہوئے۔ مزار مبارک خان پور کے قبرستان مائی صاحبہ میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

حق بحقدار رسید

شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی شریعت وطریقت کا ایسا قدآور درخت تھی جس کے سائے میں حجروں کے زاویہ نشین، میدانِ جہاد کے غازی، مسجد کے نمازی، تقویٰ وطہارت کے متلاشی زہد وعبادت کے رسیا، ذکرِ الٰہی کے متوالے، عشق ومحبت کے دیوانے اور میدانِ سیاست کے شہسوار یکساں راحت اور سکون محسوس کرتے۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت اس شعر کی سچی تصویر تھی۔

برکفے جامِ شریعت برکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

حضرت شیخ ثانی نے وصال مبارک سے پانچ برس قبل جبکہ شیخ ثالث حضرت پیر عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تیس سال سے اوپر ہو چکی تھی، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب کے موقع پر حسبِ دستور مشائخ رات کے وقت اپنے بنگلے میں بلوایا اول سامنے بٹھا کر توجہ دی اور پھر سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت

سے نوازا۔ اس تقریب میں رئیس الاصفیا حضرت سید سردار احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ خلافت الٰہیہ کا بارِ گراں آپ کے کاندھوں پر آیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور کافی دیر بے سدھ پڑے رہے بعد میں حضرت شیخ ثانی نے سلسلۂ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں اجازت بیعت اور خلافت نامہ تحریر کرنے کے لیئے حضرت سید سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔

شیخ ثانی کا وصال

شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۳۸ سال تک سجادۂ حافظ الملت کو زینت بخشی۔ آپ نے ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری۔ خانقاہ کے دینی دنیوی اعزاز میں زبردست اضافہ کیا۔ مسجد عالیہ کی تزئین وآرائش کی۔ حافظ الملت کے مزار پر ہشت پہلو بلند وبالا مقبرہ تعمیر کرایا۔ زائرین کی سہولت کے لیئے مکانات تعمیر کرائے۔ درس قرآن کو منظم کیا۔ آپکی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بعض جوشیلے علماء نے ہند سندھ کو دارالحرب قرار دے کر یہاں سے ہجرت کا نعرہ لگایا تو شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ واحد دینی رہنما تھے جنہوں نے شد ومد سے اس کی مخالفت کی۔ اور اس کے خلاف فتوے لکھوا کر پورے سندھ میں ان کی تشہیر کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کو سندھ کے غریب اور سادہ عوام کی اکثریت نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کے طعنے سننے سے بچ گئی۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو پاکستان

کے قیام کا کیا جواز رہ جاتا ؟ بالآخر حضرت شیخ ثانی نے معمولی بیماری کے بعد ۱۳۴۶ھ ۲۵ رجب المرجب کو حضرت امیر خسروؒ کا یہ شعر دہراتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔

شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق
وعدۂ قتل است اگرچہ وعدۂ دیدار نیست

مشہور عالم دین اور سندھی زبان کے قادر الکلام شاعر و نثر نگار اور مشکوٰۃ شریف کے پہلے سندھی مترجم و شارح حضرت مولانا احمد صاحب (سجادہ نشین خانگڑھ) نے اس مصرعہ سے تاریخ وفات نکالی۔

در بغل معراج آمد شد وصال

۱۳۴۶ھ

دستار بندی

شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے تیسرے روز حسبِ دستور خانقاہی قل خوانی (سوئم) کی محفل قائم ہوئی۔ اِس محفل میں سندھ و پنجاب کا وہ سارا دینی حلقہ اُمڈ آیا جسے حضرت حافظ الملت یا شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہم کے حلقہ بگوش ہونے یا ان سے عقیدت رکھنے کا شرف حاصل تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مجمع روایتی قسم کا نہیں بلکہ اللہ والوں کا ایسا اجتماع تھا جس کی دور دور تک نظیر نہیں ملتی۔ حضرت مولانا احمد صاحب سجادہ نشین خان گڑھ شریف (آپ بھرچونڈی شریف کے خلفا میں سے تھے۔ جید عالم دین، صاحب احوال

اور واقف راہ بزرگ تھے) نے دستار اپنے ہاتھوں سے آپ کے سر مبارک پر رکھی فریاد و فغاں اور شور و بکا کا غلغلہ آسمان پر پہنچا۔

آپ نے تین ماہ تک ایصالِ ثواب کیلئے خیرات و صدقات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر روز کئی کئی جانور ذبح ہوتے سارا دن لنگر خانے میں طعام پکتا رہتا۔ اور غربا و مساکین کے علاوہ ہر وارد و صادر بلا امتیاز کھانا کھاتا۔ آپ کی سجادہ نشینی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں عمل میں آئی۔

سید العارفین جنید وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا منصب سنبھالتے ہی آپ بانی خانقاہ بھرچونڈی شریف کے اصلاحی اور تبلیغی روحانی مشن کو آگے بڑھانے کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔

تعلیم القرآن

ایک اسلامی معاشرے بالخصوص خانقاہی ماحول میں تعلیم قرآن کی جو اہمیت ہے اس سے کون بے خبر ہو سکتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" (تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جس کا مشغلہ قرآن پڑھنا اور قرآن پڑھانا ہے) پر ہر دور میں مسلمانوں نے عمل کیا ہے۔ اہل خانقاہ تو اپنی ابجد ہی تعلیم قرآن سے کرتے ہیں۔

یوں تو بھرچونڈی شریف میں حضرت حافظ الملت کے دور سے قرآن مجید کے درس و تدریس کا نہایت معیاری مدرسہ قائم تھا۔ شیخ ثانی علیہ الرحمۃ نے اسے مزید ترقی دی۔ مگر شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے مدرسے

کو از سرِ نو منظم کیا۔ چونکہ آپ کو قرآن مجید سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اس لیئے آپ کے دور میں بھرچونڈی شریف کے در و دیوار قرآن مجید کی دلکش صداؤں سے معمور ہو گئے۔ حضرت حافظ الملّت نے قرآن مجید کی قرأت میں ترتیل، اہتمام مخارج، صحت الفاظ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا جو امتیازی اور منفرد اسلوب اختیار کیا تھا اور جس کی بنا پر پورے سندھ میں حافظ الملّت کا اندازِ قرأت مشہور ہو گیا تھا۔ آپ نے اسے پوری کوشش اور دلچسپی کے ساتھ پھیلایا اور فروغ دیا۔

درگاہِ عالیہ میں رہائش پذیر بڑی عمر کے فقراء پر بھی لازم تھا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے وہ پڑھیں جو پڑھے ہوئے ہیں وہ باقاعدگی سے صبح و شام حافظ صاحب ڈنہ مرحوم کو الحمد شریف سنائیں تاکہ ان کا مخرج اور تلفظ درست ہو۔

سو کے قریب مسافر طالب علم جو رات دن قرآن مجید کی تعلیم میں مصروف تھے۔ تقریباً اتنے ہی مقامی یا گرد و نواح کے دیہاتوں سے آجاتے۔ ان کی تعلیم کیلئے دو نہایت ماہر اور قابل استاد مقرر تھے۔ مسافر طلبا کے جملہ مصارف لنگر برداشت کرتا۔ ماسوائے رات کے ایک تھوڑے حصے کے بھرچونڈی شریف میں داخل ہونے والے ہر شخص کے کانوں میں جو پہلی صدا پڑتی وہ قرآن مجید کی ہوتی۔ سحری کے وقت سے لیکر ایک پہر رات گزرنے تک درگاہِ عالیہ کی مسجد، مدرسہ، روضۂ عالیہ اور ارد گرد کا ماحول قرآن مجید کی دل کش آوازوں سے گونجتا رہتا۔

شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ شروع میں خود بھی اپنے جدِ امجد حضرت حافظ الملّت کی سنّت اور روایت کے مطابق کافی عرصہ تک قرآن مجید اور دینی کتابوں کا درس دیتے رہے۔ بعض درویش باقاعدہ آپ ہی کے شاگرد تھے یعنی انہوں

نے قرآن مجید پڑھنے کی سعادت آپ سے حاصل کی۔

ایک عجیب بات جو شاید عام قارئین کے لیئے بالکل نئی ہو یہ ہے کہ بھرچونڈی شریف کے ماحول میں ہر قسم کا دینی کام کرنے والے لوگ تنخواہ، اُجرت اور مشاہرے وغیرہ کے نام تک سے بھی نا آشنا تھے۔ یہاں سارا کام دینی خدمت، رضائے الٰہی اور ذاتی فرض سمجھ کر انجام دیا جاتا۔ لنگر جس کی حیثیت مرکزی بیت المال کی تھی وہ صرف ان حضرات کے خورد و نوش اور دیگر ضروریات از قسم لباس، علاج معالجہ، رہائش وغیرہ کا بقدر معقول گزارہ بندوبست کرتا۔ اس پر بھی حافظ الملّتؒ کی تربیت یافتہ جماعت کے یہ افراد شہنشاہوں کی سی تمکنت اور بے نیازی کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارنے اور انتہائی دیانتداری، لگن اور اخلاص کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتے۔

قرآن مجید کی مسند درس پر مختلف اوقات میں جو لوگ فائز رہے ان میں استاذ العلماء حضرت محمد بلاول، قاری قرآن حافظ محمد عالم، رئیس الحفاظ حافظ خیر محمد، امام مسجد بھرچونڈی شریف حافظ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ایسے نام ہیں جن کی بے لوث خدمات اپنے مرشد کی خانقاہ سے محبت، انکسار اور للّٰہیت کی داستانیں بھرچونڈی شریف کی تاریخ میں ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

حلقۂ ذکر

سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکرِ الٰہی کو اپنے طریقے کی اساس اور بنیاد قرار دیا تھا۔ آپ کے مطابق سلسلۂ عالیہ قادریہ صدیقیہ میں داخل ہونے والے ہر طالب راہ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ نمازِ فجر سے پہلے اور نمازِ مغرب کے بعد ذکرِ الٰہی کی چار تسبیحات باآوازِ بلند ادا کرے۔ پہلی تسبیح **لا الٰہ الا اللہ** دوسری تسبیح **الا اللہ**، تیسری تسبیح **اللہ**، چوتھی تسبیح **ھو** پر مشتمل ہو۔ یہ تسبیحات انتہائی خشوع، رقت اور گداز کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں بھرچونڈی شریف میں شروع سے یہ طریقہ چلا آیا ہے کہ صبح کی تسبیحیں انفرادی طور پر ہوتی ہیں جبکہ بعد از نماز مغرب اجتماعی طور پر حلقۂ ذکر بالجہر کی محفل قائم ہوتی ہے۔

شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے حلقۂ ذکر میں

ات امدگی پیدا کی اس کے لیئے نماز کی طرح پابندی کا نظام قائم فرمایا۔ مقیم یا مسافر درگاہ میں موجود ہر شخص کیلئے ضروری ہوتا کہ جونہی مغرب کے بعد ذکرِ الٰہی کے حلقے میں شامل ہونے کی آواز کانوں میں پڑے۔ ہر شخص اپنے اپنے کام چھوڑ کر فوراً حلقۂ ذکر میں شامل ہو۔

آپ حلقۂ ذکر میں نہ صرف یہ کہ شامل ہوتے بلکہ خود ذکر کراتے۔ تمام جماعت مسجد کے صحن میں حلقہ (گول دائرہ) بنا کر بیٹھتی۔ آپ مصلّے امامت پر جماعت کی طرف رُخ کر کے بیٹھتے اور یوں ذکر کی محفل شروع ہوتی۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی محفل ذکر میں جن لوگوں کو شرکت کا موقع ملا ہے اس کی لذت، سرور اور سرمستی کا اندازہ وہی لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں ذکرِ الٰہی کی جو فضیلتیں آئی ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ہیں حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ الٰہی کو تمام مسائل ومشکلات کا درماں اور معرفت ومحبتِ خداوندی کی بنیادی کلید قرار دیتے تھے۔ آپ کے مطابق ذکرِ الٰہی کی ایک ہی ضرب پتھر دلوں کو موم کر کے گناہوں کے دفتر دھونے کیلئے کافی ہے۔ ؎

ذکرِ او سرمایۂ ایماں بود   ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

گر تو خواہی درد و عالم آبرو   یاد او کن یاد او کن یاد او

قرآن مجید میں خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ (رعد)

بلاشبہ ذکرِ الٰہی ہی سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران)

اور کثرت سے اپنے رب کا ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

اسی طرح حدیث مبارک میں ہے کہ ایک دفعہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سبق المفردون   مفرد لوگ آگے نکل گئے۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا حضور مفرد لوگ کون ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "جو والہانہ انداز میں ذکرِ خداوندی میں مشغول رہتے ہیں"۔

ذکرِ الٰہی کی یہ محفل اپنی حلاوت، انفرادیت اور کشش کے اعتبار سے ایسی بے نظیر محفل تھی جس میں شمولیت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے شاہ و گدا، امیر و غریب اور عالم و جاہل سب لوگ برابر اشتیاق رکھتے تھے۔

ذکرِ الٰہی کی یہ چار تسبیحیں آہوں، سسکیوں اور خوفِ خداوندی سے ہچکیوں میں ادا ہوتیں۔ بعض اہلِ دل بے ہوش ہو جاتے۔

سفر ہو یا حضر حلقۂ ذکر اپنی پوری شان و شوکت سے جاری رہتا۔ ٹرین کا سفر درپیش ہوتا تو عام حالات میں بھی ہمرکاب فقراء اور درویشوں کی تعداد دو تین سو سے کم نہ ہوتی۔ جونہی حلقۂ ذکر کا وقت آتا تو ریل کے سارے ڈبے نغماتِ توحید سے گونج اُٹھتے۔ ناواقف یا غیر مسلم لوگ حیرت اور استعجاب سے یہ منظر دیکھتے۔ سینکڑوں لوگ اس عملی تبلیغ سے متاثر ہو کر گناہوں سے تائب اور غیر مسلم کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

دورانِ سفر نماز کا وقت آجاتا تو شہر ہوں یا صحرا، ریلوے کے پلیٹ فارم ہوں یا جلسہ گاہ۔ آپ کے پُرجوش فقراء مسجد کا سا سماں پیدا کر لیتے صفیں بچھ جاتیں اذان و اقامت کے ساتھ نماز باجماعت شروع ہو جاتی۔ اِس منظر کو دیکھ کر غیر مسلم بالخصوص ریلوے کے انگریز افسران بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ ٹوپیاں اتار اتار کر سلام کرتے اور جب تک نماز مکمل نہ ہوتی گاڑی روکے رکھتے۔ اس وقت آپ علامہ اقبال کے مردِ غوغا کی صحیح تصویر نظر آتے۔ ؎

حذر ز بیعت پیرے کہ مردِ غوغا نیست

ذکرِ الٰہی کی چار تسبیحیں مکمل ہوتیں تو تھوڑی سی دیر کے لیے دل پر نگاہ رکھ کر مراقبہ کیا جاتا بعد میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کے حصول کے لیے دُعا کی جاتی۔

الغرض سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے طریقۂ مرضیہ حلقۂ ذکر کو نہ صرف یہ کہ آپ نے قائم و دائم رکھا بلکہ اس میں نئی روح پھونک دی۔ بحمد اللہ العزیز یہی طریقہ آج تک درگاہِ عالیہ میں من و عن قائم و دائم ہے اللّٰھم زد فزد۔

لنگرِ عالیہ

مشائخِ صوفیا کے ہاں ہمیں ایک چیز ابتدا ہی سے نظر آتی ہے اور وہ ہے لنگر کا قیام۔ لنگر سے مراد دراصل اُس خانقاہ یا رُوحانی ادارے کا وہ اجتماعی بیت المال ہے جسے تمام اہلِ خانقاہ اپنے اپنے کسبِ حلال کے ذریعے قائم کرتے ہیں اور پھر

اس میں خانقاہ میں آنے والی تمام فتوحات از قسم ہدیہ، نذرانہ، تحفہ جمع ہوتی ہیں یہ ضروری نہیں کہ یہ سب نقد صورت میں ہوں۔ نقد، جنس، کپڑا الغرض انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والی تمام اشیا حتیٰ کہ سوئی دھاگے کی منزل تک چیزیں خانقاہوں کے بیت المال میں جمع ہوتی رہی ہیں۔

مشائخ صوفیا نے بالاتفاق ایک چیز کی ہمیشہ مذمت کی ہے اور وہ ہے بیکاری اور تن آسانی۔ انہوں نے انتہائی باریک بینی اور حکیمانہ طرزِ فکر اختیار کرتے ہوئے اشتراکِ محنت کا ایسا اصول وضع کیا جہاں تمام لوگ ایک خاندان کے افراد یعنی الخلق عیال اللہ (تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) ہیں ہر شخص اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق کمائے اور کام کرے۔ اور اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے خرچ کرے۔ خرچ کرنے کے ضمن میں پھر مشائخ صوفیا کا زریں اصول یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ بیت المال یا لنگر صرف اُن لوگوں پر خرچ کرے جو اُس کے لیے کماتے یا اُس میں جمع کراتے ہیں۔ نہیں نہیں یہ لنگر ما و شما کی تمیز کے بغیر ہر ضرورت مند، ہر محتاج، ہر مسکین اور ہر بے کس کا ماویٰ و مرجع اور جائے پناہ ہے یہ بالکل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد مبارک کی عملی شکل ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ترکہ چھوڑے اُس کے مالک اُس کے ورثا ہیں مگر جو مقروض ہو کر مرے اُس کا قرض مجھ سے وصول کیا جائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اِس قاعدے سے خانقاہ کا مرشد بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ برصغیر میں بھی اِس خانقاہی بیت المال کی بہترین مثال حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور خود حافظ الملت جنید وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگیوں میں مثالی انداز میں مل جاتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیشرو مشائخ کی اس روایت کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھا بلکہ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے تحت اسے زیادہ منظم اور جدید خطوط پر استوار کیا۔

آپ نے لنگر خانے کو مرکزی حیثیت دی، بھرچونڈی شریف کے ماحول میں کسی فرد کی بھی ذاتی کوئی چیز نہیں تھی ہر چیز لنگر کی ملکیت تھی۔ آپ کی زبان مبارک سے کبھی کسی نے یہ جملہ نہیں سُنا کہ فلاں چیز میری ہے آپ اپنی ذات کو بھی لنگر کی ملکیت سمجھتے تھے لنگر ہی وہ بنیادی ادارہ تھا جو خانقاہِ عالیہ کے تمام اداروں کی براہِ راست نگرانی کرتا۔ مسلمانوں کے اجتماعی مسائل ہوں یا مفاد عامہ کی باتیں، نجی اور خانگی معاملات ہوں یا قومی اور سیاسی جھمیلے یہ تمام چیزیں لنگر کے حوالے سے طے ہوتیں۔ انہیں کسی شخصی یا انفرادی رویے کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا۔ لنگر عالیہ کے اہتمام و انصرام میں وقتاً فوقتاً جو لوگ مصروف رہے ان کے نام یہ ہیں۔ حافظ عمر، حاجی اسحٰق چھچھن، میاں عبدالقادر، خلیفہ احمد کوری، حافظ صاحب ڈھ فقیر، میانجی عبدالرحیم چاچڑ، کامل فقیر راجڑی۔

شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر عالیہ کو جس طرح ایک ادارہ کی شکل دی ہم اسے مختصراً اِن عنوانات یا شعبہ جات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

مطبخ

یہاں دن رات مختلف طعام پکتے رہتے۔ عام حاضر باش یا اصحاب صفہ کی

تقلید میں مسجد میں رہنے والے درویشوں کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی اس کے علاوہ دن رات آنے والے زائرین، عقیدت مند اور اہلِ غرض لوگ نیز علماء، سادات مشائخ اور افسران بھی سینکڑوں کی تعداد میں درگاہِ عالیہ پر حاضر ہوتے. مطبخ کا یہ شعبہ اس قدر مستعد اور سرگرم تھا کہ بلا تکلف تمام لوگوں کو بر وقت کھانا مہیا کرتا. مطبخ میں دو تین باورچیوں کے علاوہ تقریباً دس بارہ اور درویش یہ خدمات سر انجام دیتے مطبخ ایک وسیع احاطے میں قائم تھا جہاں ضرورت کی تمام چیزیں نہایت وافر مقدار میں موجود رہتیں. کھانا مٹی کے صاف ستھرے برتنوں میں انتہائی سلیقے سے پیش کیا جاتا.

کھانے پکانے مطبخ کیلئے لکڑیاں لانے، اُسے پیش کرنے، برتن دھونے مہانوں اور زائرین کی خبر گیری کرنے والے تمام لوگ ایسے درویش اور اللہ والے کہ اُن سے نماز کی تکبیرِ اولیٰ بھی کبھی فوت نہیں ہوئی. بے نفس ایسے کہ بے وقت مہمان آگئے تو خود فاقہ کر لیا مگر مہانوں کی مدارات میں کمی نہ آنے دی. گویا یہ لوگ صحیح معنیٰ میں اس آیت کے مصداق تھے.

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (القرآن)

درگاہِ عالیہ کے لنگر کی یہ سادہ روٹی اِس قدر پُرکشش تھی کہ لوگ دور دور بطور تبرک لے جاتے. اُمراء مطبخ کے دروازے پر جھولی پھیلا کر یہ لقمہائے نور حاصل کرنا اپنی سعادت سمجھتے.

بیتُ المال

یہ وہ اجتماعی مرکز تھا جہاں اس ادارے کا سارا اثاث البیت جمع رہتا

نقد جنس، کپڑے، بستر، برتن الغرض ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود ہوتی اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ شاید یہ تمام اشیاء اہتمام سے یہاں جمع کی جاتی ہوں گی ایسا نہیں تھا بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے اپنے طور پر لنگرِ عالیہ میں اپنی کمائی، محنت، کاریگری اور ہنرمندی کی چیزیں پیش کرتے. یہ ساری چیزیں مرشد کی ذاتی تحویل میں جانے کی بجائے بیت المال میں جمع ہو جاتیں. پھر انتہائی دیانتدار اور امین نگرانوں کے ذریعے ضرورت مندوں میں وقتاً فوقتاً یہ چیزیں تقسیم ہوتی رہتیں. جس درویش کو جس چیز کی ضرورت ہوتی اسے لنگر سے فوراً مہیا کر دی جاتی. حضرت شیخ ثالث رحمتہ اللہ علیہ خود بھی عام فقراء کی طرح اپنی ضرورت کیلئے لنگر کے اربابِ بست وکشاد سے اپیل کرتے، اس شعبے کی نگرانی خلیفہ دائم فقیر خشک، خلیفہ دائم بھٹو، خلیفہ شیخ محمد فقیر، خلیفہ علی شیر سرکی وغیرہ کرتے.

کاشت کاری

لنگر خانہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات پوری کرنے کیلئے کاشت کاری پر خصوصی توجہ دی جاتی. لنگرِ عالیہ کی ملکیت میں مزروعہ زمین کے کافی کھیت تھے حضرت شیخ ثالث مجاہد اسلام پیر عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کاشت کاری کے تمام مراحل میں بنفسِ نفیس حصّہ لیتے. اس زمانے میں ابھی گڈو بیراج کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اس لیئے زراعت کیلئے پانی کی شدید کمی تھی. نئے کنوئیں احداث کیئے جاتے غیر آباد اور بنجر زمینوں سے جنگل صاف کر کے انہیں کاشت کے قابل بنایا جاتا. متعدد مقامات پر آپ نے آموں، کھجوروں اور دیگر ثمردار درختوں کے نہایت عمدہ باغ لگوائے.

آپ خود بسا اوقات کئی کئی دنوں تک ان زرعی زمینوں پر مقیم رہتے اپنے ہاتھ سے خود کام کرتے۔ ملنے والے بڑے لوگ ہوں یا عام زائرین۔ اللہ کا یہ برگزیدہ بندہ انتہائی متواضع، منکسرالمزاج اور ہاتھ سے کما کر کھانے والا بندہ اس حال میں ملتا کہ خادم و مخدوم اور مرید و مرشد کی تمیز نہ کی جا سکتی۔ اس وقت آپ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی عملی تصویر ہوتے۔ ؎

آپ بنڑے سلطان جہاں دا   آپ بنڑے مزدور

کاشت کاری کے جملہ لوازمات آلات وغیرہ، عمدہ قسم کے بیل وافر مقدار میں لنگر عالیہ میں موجود رہتے۔ فقراء کی ایک بڑی جماعت رزقِ حلال کے اس مقدس پیشے سے وابستہ تھی۔ کاشت کاری سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی لنگرِ عالیہ کی ملکیت ہوتی۔

چونکہ آپ بے کاری اور تن آسانی کے سخت خلاف تھے اس لیے اپنی جماعت کو عملی تربیت دینے کی خاطر زندگی بھر اپنے لیے کوئی امتیازی مقام نہ رکھا بلکہ زندگی مبارک کے آخری دنوں تک اپنے ہاتھ سے کام کرنے اور محنت و مشقت کے کاموں میں شریک ہونے میں خوشی محسوس کرتے۔ کاشت کاری کے کام میں شریک ہونے والے فقراء کیلئے کوئی امتیازی حصہ مقرر نہ تھا۔

جانوروں کے ریوڑ

لنگر کی مختلف ضروریات از قسم گوشت، دودھ، مکھن، لسی، گھی وغیرہ پوری کرنے کی خاطر دودھ دینے والے اور گوشت کے لیے کام آنے والے جانوروں

کے باقاعدہ گلے (ریوڑ) موجود تھے۔ بھینسیں، گائیں، مختلف نسل کی بکریاں سینکڑوں کی تعداد میں موجود رہتیں۔ جن کی حفاظت اور انہیں جنگلوں میں چرانے کی ذمہ داریاں الگ الگ ایسے درویشوں کے ذمہ تھیں جنہوں نے اپنی زندگیاں ان مقاصد کے لیے گزار دیں۔ یہ لوگ جانوروں کو پانی پلاتے انہیں جنگلوں میں چراتے ان کا چارہ کاٹتے انہیں دوہتے مگر کسی بھی حال میں ذکرِ الٰہی، پنج وقتہ نماز اور تہجد سے معمولی تساہل کے روادار نہ ہوتے۔

اپنے مرشد کی محبت نے انہیں ایسا وارفتہ کیا کہ روکھی سوکھی کھا کر پھٹے پرانے کپڑے پہن کر جنگلوں میں جانوروں کی خدمت کرتے ہوئے اپنی زندگیاں گزار دیں۔ مگر کبھی کسی اجرت یا معاوضے کے طلبگار نہ ہوئے۔

تو بندگی چوں گدایاں بشرطِ مزد مکن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار ان جانوروں کو دیکھنے کی خاطر ان کے مقامات پر تشریف لے جاتے تو نگران فقراء خوشی سے پھولے نہ سماتے اور جھوم جھوم اُٹھتے۔ ان جانوروں یا ان سے حاصل ہونے والی اشیاء کی حفاظت نگرانی اور اس میں احتیاط و دیانت کا جو مظاہرہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت فقراء سے دیکھنے میں آتا اس سے خیر القرون کے اصحاب تقویٰ و دیانت کی یاد تازہ ہو جاتی۔

اصطبل

مشائخ صوفیاء نے اپنے جانشینوں کو اکثر بطورِ وصیت اچھی سواری رکھنے

کی نصیحت کی ہے۔ قرآن مجید میں ایک برتر مقصد یعنی جہاد کی تیاری کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

چونکہ آپ مجاہدانہ شان کے بزرگ تھے۔ اسلام کی شان و شوکت اور دبدبے و طنطنے کی علامت تھے اس لیئے آپ کو ہر اُس چیز سے فطرتاً محبت تھی جو اسلام کے جذبۂ حریت اور جہاد سے تعلق رکھتی تھی۔ اس حوالے سے اسلامی تاریخ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی جو اہمیت رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں چنانچہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ دستورِ مشائخ بطورِ خاص اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں پر توجہ دی۔ آپ کے اصطبل میں پچاس کے قریب عمدہ نسل کے گھوڑے بہترین ساز و سامان سے مزین اور تیس کے قریب نہایت تیز رفتار اور اعلیٰ نسل کے اونٹ موجود رہتے جنہیں مزید سدھانے، سکھانے کیلئے تجربہ کار گھڑسوار اور شتر سوار خود جماعت کے اندر موجود تھے۔

سواری کے یہ جانور نمائشی طور پر نہیں بلکہ تبلیغی دوروں اور جہاد کی ضروریات کیلئے رکھے جاتے۔

شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقتدا و پیشوا، سید العارفین، جنیدِ زمانہ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں خانقاہ کا معاشرہ اس طرح ترتیب دیا جسے آج کے فوجی نظام سے بہت مشابہت دی جاسکتی ہے۔ جس طرح فوج اپنی تمام ضروریات میں خود کفیل ہوتی ہے

اسے اطبیوں، ڈاکٹروں، معماروں حتیٰ کہ درزیوں، صفائی کرنے والوں، حجاموں اور دکانوں تک کے معمولی کاموں کیلئے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے بھرچونڈی شریف کے معاشرتی ماحول کو اس طرح منظم کیا کہ اولاً یہاں کے باسی باخدا درویش، شب زندہ دار فقیر اور باعمل مجاہد تھے۔ اس کے بعد یہی لوگ عالم، حکیم، مستری، مزدور، محنت کش، کسان، درزی، حجام، بڑھئی اور وہ سب کچھ تھے جس کی معاشرتی زندگی میں ہر قدم پر ضرورت پڑتی ہے انہی میں سے حساب کتاب رکھنے والے منشی، قاصد، خط و کتابت کرنے والے اہل علم اور حکومت کے افسران یا دوسرے عمائدین سے میل ملاقات والے سفیر ہوتے۔

الغرض یہ ایک ایسا باخدا مگر خود کفیل معاشرہ تھا جو سراسر خود انحصاری اور اہلیت کے اصول پر مبنی تھا۔

لنگر بطور ایک رفاہی ادارہ

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ لنگر عالیہ کے شعبہ جات میں بیت المال ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کلیۃً ایک رفاہی ادارے میں بدل دیا۔ بے کس، بے سہارا اور یتیم بچوں کی نگہداشت اور ان کو وظیفے لنگر عالیہ سے مقرر کیئے جاتے۔ بیوہ اور بے سہارا عورتوں کی خصوصی امداد کی جاتی۔ نادار اور یتیم بچیوں کو شادی بیاہ میں خصوصی امداد دی جاتی۔ نومسلم حضرات کو نہ صرف وقتی بلکہ انہیں مستقل اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیئے کاروبار کرا دیئے جاتے۔ گمشدہ بچوں کی تلاش کے سلسلے میں تعاون کیا جاتا۔ جھوٹے کیسوں میں ملوث

افراد کی رہائی کیلئے تگ و دو کی جاتی۔

الغرض لنگر عالیہ ایک ایسا ہمہ وقتی فلاحی ادارہ تھا جو ہر درد مند، پریشان حال، ضرورت مند، پریشان حال، نادار، مفلوک الحال، مظلوم یا قرآنی اصطلاح میں مستضعفین کی امداد، بحالی اور تعاون کیلئے مستعد، سرگرم اور حاضر ہوتا۔

جس زمانے میں آپ کراچی جیل میں نظر تھے۔ تر نڈہ علیی خاں کا ایک شخص کسی مقدمے میں ماخوذ ہو کر جیل آیا۔ چھ ماہ قید یا چار سو روپے جرمانہ کی سزا تھی اس نے رو کر حضرت والا کو اپنی بپتا سنائی کہ کس طرح اُسے جھوٹے کیس میں ملوث کیا گیا آپ نے اسی وقت میرے والد گرامی حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کو لنگر عالیہ کی طرف سے فوراً چار سو روپے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ جونہی رقم داخل ہوئی وہ جیل سے رہا ہوا اور دعائیں دیتا چلا گیا۔

آپ کے دور میں لنگر عالیہ چھوٹے پیمانے پر ایک مستقل اسلامی فلاحی ریاست کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ جس میں زندگی کے تمام شعبہ جات اپنی اپنی جگہ خود مختار منظم، اور خود کفیل تھے اس کا مختصر نقشہ کچھ یوں تھا۔

مسجد و روضۂ عالیہ

یہ تمام انتظام والفرام از قسم صفائی، روشنی، اذان، امامت، درسِ قرآن وغیرہ حفاظ، علماء، طلباء اور اصحابِ صفہ کی پیروی میں مسجد میں فروکش درویشوں کی ایک جماعت کے ذمے تھی۔ اس جماعت کے سرکردہ افراد میں سے میاں جی غلام قادر حافظ محمد قاسم، حافظ خیر محمد، کامل فقیر، میاں جی عبد الرحیم چاچڑ، غلام حیدر فقیر وغیرہ نے ساری عمر یہ خدمات سرانجام دیں۔

مطبخ

اس میں حافظ عمر، حافظ صاحب ڈنہ، حاجی اسحاق چھجن، میاں عبد القادر [illegible] عبد الرحیم اور کامل فقیر نے انتہائی دیانت، اخلاص اور محبت سے اپنے فرائض [illegible] انجام دیئے۔

مختارِ عام

لنگر عالیہ کیلئے زرعی زمینوں کی خرید و فروخت اور سرکاری ریکارڈ رکھنے افسران [illegible] رابطہ کے فرائض منشی نور محمد کٹہ (سکنہ احمد پور لمہ) نے انجام دیئے ان کے ساتھ [illegible] ورکیشں بطور نائب کام کرتے تھے۔ منشی صاحب مرحوم تجربہ کار، زمانہ شناس اور [illegible] مخلص شخص تھے۔

زرعی زمینوں کی کاشت سرداشت

اس اہم کام کی نگرانی حاجی عبد الغفور کھوسو، خلیفہ احمد اور دوسرے کئی فقراء [illegible] کرتے تھے۔

خطوط نویسی

درگاہِ عالیہ سے روزانہ افسران، سیاسی عمائدین، زمینداروں اور وڈیروں کے نام سینکڑوں خطوط جاری ہوتے۔ یہ خطوط ضرورت مند اور مسکین لوگ حاصل کرتے تاکہ درگاہِ عالیہ کے توسط سے اپنے مسائل حل کرا سکیں۔ خطوط نویسی کا سارا کام صابر فقیر علوی اور ان کے نائبین سرانجام دیتے۔

باھر کی ڈاک

ملک اور بیرون ملک سے ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں خطوط آتے ان

خطوط میں جواب طلب سوالات، دُعا کی درخواستیں، رُوحانی امراض کے علاج کی
گزارشات ہوتیں۔ بعض دفعہ فوری مسائل کیلئے تار بھی آتے۔ جن میں دعا وغیرہ کی درخواست
ہوتی، یہ خطوط حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمتہ کی خدمت میں پیش کرنا، ان کے جوابات
حاصل کرنا، ان کا ریکارڈ رکھنا، واپسی جوابات بھجوانا مستقل ادارہ تھا اس میں منشی
صاحب کو برادران کے لڑکے غلام فرید کو برنے بہت خدمات سرانجام دیں۔ بعد میں
فقیر عبدالقادر سمیجہ اور مولوی رسول بخش سمیجہ بھی بحسن و خوبی یہ فرائض سرانجام
دیتے رہے۔

منتظمین و کارپردازان

اس شعبے میں خلفا کی ایک بڑی جماعت کام کرتی تھی۔ خانقاہ عالیہ کے
اندرونی و بیرونی مسائل حل کرنا، ملکی و ملّی مسائل میں خانقاہ کی پالیسیاں طے کرنا جماعت
مریدین کے باہمی جھگڑے تنازعے طے کرنا۔ خانقاہ کے معاشی و اقتصادی مسائل کی
نگرانی کرنا۔

حضرت شیخ کی نشست و برخاست، سفر و حضر اور ضروریات کا اہتمام اور
نگرانی کرنا۔ یہ سب کچھ اس گروہ کے ذمے تھا۔ اس میں بڑے بڑے تجربہ کار فقراء
علمائے دین اور ذی حیثیت لوگ شامل تھے۔ آگے ٹیم کے طور پر سینکڑوں درویش ان
کی ماتحتی میں کام کرتے۔ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت والا وشاورھم فی الامر کے مطابق
فوراً انہیں بلوالیتے۔ ان میں سے بعض لوگ مستقلاً خانقاہ عالیہ میں قیام پذیر تھے باقی
بھی بیشتر وقت خانقاہ ہی میں گزارتے۔ کچھ وقت کے لیے اپنے اپنے گھروں کو جاتے
تو دل حضورِ مرشد میں رہتا۔ ان حضرات نے خانقاہِ عالیہ کے احاطے میں مستقلاً اپنی اپنی

[illegible] بنالی تھیں جو مکمل گھر کا نقشہ پیش کرتیں۔ عام حالات میں یہ لوگ اپنی
[illegible] خود پوری کرتے اور اپنے احباب اور علاقے سے تعلق۔ رکھنے والے لوگوں کی
[illegible] اور سہولتوں کا بھی خاص خیال رکھتے۔

خلفا اور منتظمین میں سے چند اہم نام یہ ہیں۔

خلیفہ دائم فقیر خٹک، خلیفہ فتح محمد فقیر، حاجی عبدالغنی خاں جتوئی کھوسہ، خلیفہ علی شیر
[illegible] خلیفہ خدا بخش ماروواڑی، خلیفہ دائم بھٹو، حافظ نور محمد قلندر جتوئی، خلیفہ میاں واحد بخش
[illegible] فقیر خان گولاٹا، عبدالخالق کھتری، حافظ صاحب ڈنہ، محمد یعقوب منیجر، حاجی کریم بخش وہا
[illegible] اللہ بخش، خلیفہ احمد فقیر، جند وڈہ فقیر سومرو، فقیر محمد بخش خشک۔ لنگر عالیہ کے
[illegible] اور اونٹوں کی نگرانی کالو فقیر ماروواڑی اور مولاڈنہ فقیر (برادر خلیفہ فتح محمد) کے
[illegible] تھی۔ ہر ایک کے ساتھ کئی دوسرے درویش یہ خدمات سرانجام دیتے۔

مستری کریم بخش سومرو سکنہ پنوعاقل جو لکڑی کے کام کا مانا ہوا کاریگر ہے
[illegible] ہر وقت مسجد عالیہ روضۂ مقدسہ اور مہمان خانے کے در و دیوار کی زیبائش و آرائش
[illegible] مصروف دکھائی دیتا۔ بحمد اللہ مستری کریم بخش تاحال زندہ سلامت اور لنگر عالیہ کی
[illegible] سرانجام دے کر اپنی جھولیاں دعاؤں سے بھر رہا ہے۔

ڈہر کی شہر سے لنگر کیلئے خورد و نوش اور پارچات وغیرہ کی خرید اور دکانداروں
[illegible] حساب کتاب کا معاملہ ڈہر کی شہر کے فقیر جند وڈہ سومرو کے سپرد تھا۔ جند وڈہ فقیر انتہائی
[illegible] جان نثار اور درویش صفت انسان تھا اسے گھر میں چین نہ آتا دن میں بھرچونڈی
[illegible] کے کئی کئی چکر لگاتا۔ راقم کے والد حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمتہ کے
[illegible] اس کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ جب تک بھرچونڈی شریف میں مقیم ہوتے

جندوڈہ فقیر آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ ؎

اُٹھ گئے کیسے کیسے پیارے لوگ

جندوڈہ فقیر کے صاحبزادے پروفیسر محمد اسماعیل گورنمنٹ کالج میرپور ماتھیلو کے پرنسپل ہیں۔ اور درگاہ عالیہ سے بدستور اپنا رشتۂ عقیدت و محبت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ اور علم دین کی نشر و اشاعت

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلی وحی اقرأ (پڑھو) کے لفظ سے شروع ہوئی۔ گویا اسلام کی ابتدا اور بسم اللہ ہی علم کی خواندگی سے ہوتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

دوسری جگہ آپ کا ارشاد ہے "میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے صحابہ کرام کے دو الگ الگ حلقے دیکھے۔ ایک حلقہ ذکرِ خداوندی میں مشغول تھا۔ اور دوسرا دینی مسائل کی تعلیم و تدریس میں۔ آپ نے فرمایا "دونوں حلقے اچھے ہیں مگر جو لوگ علم دین حاصل کر رہے ہیں یا دوسروں کو سکھلا رہے ہیں وہ زیادہ افضل ہیں۔ میں خود بھی معلّم بن کر

بھیجا گیا ہوں"۔ یہ فرما کر آپ خود علمی حلقے میں شریک ہو گئے۔

باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ "علم مال سے بہتر ہے۔ مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے جبکہ علم صاحبِ علم کی خود حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہے مال محکوم۔ مالدار ختم ہو گئے مگر اہلِ علم ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں۔ آپ ہی کے اشعار ہیں۔

لیس الجمال باثواب تزینہا — انّ الجمال جمال العلم والادب

کن ابن من شئت واکتسب ادبا — یغنیک محمودہ عن النسب

حسن و جمال خوبصورت کپڑوں سے نہیں آتا — حقیقی حسن، علم و ادب کا حسن ہے

تم جس خاندان سے بھی ہو اس کی فکر نہیں — علم حاصل کرو علم کی فضیلت تمہیں نسب سے بے نیاز کر دے گی۔

چونکہ شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ خود فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ اسی لئے آپ دینی علوم کی اہمیت اور قدر و قیمت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ علمائے دین کی تعظیم و توقیر میں آپ کسی حد بندی کے قائل نہ تھے۔ عالم دین چھوٹا ہو یا بڑا آپ اُس کے سامنے بچھ جاتے۔ علمائے دین کے سامنے اس قدر نیازمندی، انکساری اور مہربانی کا مظاہرہ فرماتے کہ بعض اوقات علمائے کرام خود شرمسار ہو جاتے۔ اسی لئے عادت مبارک سے واقف علمائے کرام درگاہِ عالیہ حاضر ہوتے یا سفر میں اکٹھے ہوتے تو عمداً آپ سے دور دور رہتے تاکہ اُن کی ہر وقت آمد و رفت سے بار بار اٹھنے، یا اپنی نشست چھوڑنے اور آداب

بجالانے کی زحمت نہ ہو۔

آپ نے منصب سجادگی سنبھالتے ہی علم دین کی طرف خصوصی توجہ دی، کتب خانے کو از سر نو منظم کیا۔ اسلامی تعلیمات کیلئے جید علمائے کرام کی خدمات حاصل کیں۔ بھرچونڈی شریف کے دارالعلوم میں آپ کے دور میں وقتاً فوقتاً جن نامور علمائے تدریسی خدمات سرانجام دیں اُن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

استاذ العلما سراج الفقہا مفتی سراج صاحب مکھی بیلوی رحمۃ اللہ علیہ (پہلے آپ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے لیے بھی بھرچونڈی شریف میں اقامت پذیر رہے تھے دوسری دفعہ آپ نے اپنے استاذِ گرامی کو بصد اصرار صاحبزادگان اور دوسرے طلبا کی تعلیم کیلئے ٹھہرایا)

نبراس العلماء رئیس الاصفیا مجمع الکمالات حضرت حافظ پیر سید مغفور شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف کی علمی مسند کو جس باکمال شخصیت نے تا دیر زینت بخشی وہ آپ کی ذات تھی۔ تمام صاحبزادگان بلا امتیاز اور درگاہ سے تعلق رکھنے والے علما یہاں تک کہ بڑی عمر کے فقرا سب آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کا انداز تدریس ایسا سہل مگر منفرد نوعیت کا تھا کہ آپ سے ابتدائی کتابیں پڑھنے والے دوسرے مدارس کے منتہی طلبا سے زیادہ علمی ذوق اور بصیرت پیدا کر لیتے تھے۔ ہر چند آپ کا سلسلہ بیعت حضرت شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا مگر آپ حضرت شیخ ثالث کو بھی مرشد ہی سمجھتے تھے۔ جید عالم دین، کئی زبانوں کے شاعر، صاحب طرز ادیب، قاریٔ قرآن، خوش بیان واعظ ہونے کے باوجود پوری زندگی شیخ کی خدمت میں گزار دی۔ لنگر کی روکھی سوکھی پر گزارہ کیا مگر دنیاوی آسائشوں اور دعوات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھی۔

۳۔ یادگارِ اسلاف حضرت مولانا عبدالرحمٰن پتافی علیہ الرحمۃ کافی عرصے تک درگاہِ عالیہ میں پڑھاتے رہے۔

۴۔ مولانا سیّد شمس الضحٰی صاحب جن کا تعلق یوپی کے ایک علمی گھرانے سے ہے۔ مدّتوں درگاہِ عالیہ میں پڑھاتے رہے ابھی تک بقیدِ حیات ہیں اور کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

۵۔ مولانا خدا بخش پتافی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا تعلق ضلع ڈیرہ غازی خاں سے تھا معصر علما میں صرف و نحو کے ماہر استاذ کی حیثیت سے آپ کی خاصی شہرت تھی آپ بھی کئی سال تک بھرچونڈی شریف میں تشنگانِ علم کو سیراب کرتے رہے غالباً انتقال فرما چکے ہیں۔

۶۔ فاضل نوجوان سیّد ذاکر شاہ صاحب آپ کا تعلق ایران کے مکرانی علاقہ سے تھا۔ تعلیم مدرسہ انوار العلوم میں مکمل کی۔ اور اپنے استاذِ گرامی غزالیٔ زماں رازیٔ وقت حضرت سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم اور شیخِ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر آپ نے بھرچونڈی شریف کی مسندِ تدریس سنبھالی۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی علمائے کرام بھرچونڈی شریف کے مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ دورانِ تدریس بعض اوقات خود مدرسہ میں تشریف لے آتے۔ طلبا میں گھل مل کر بیٹھتے۔ اُن سے ذاتی معلومات حاصل کرتے۔ غریب اور نادار طلبا کی جملہ ضروریات لنگر سے پوری کی جاتیں۔ مدرسین کے خورد و نوش کا خصوصی اہتمام کرتے ان کی رہائش اور نشست و برخاست

میں دلچسپی لیتے۔ مدرس علما کو ملازم نہیں بلکہ مخدوم و محترم قرار دیتے۔ اُن کی جملہ ضروریات حتیٰ کہ ان کے اہل و عیال کی ضروریات کا بھی خیال رکھتے۔

علمائے کرام سے اُن کی درس گاہوں میں خود جا کر ملتے اور اکثر اوقات علمی مجالس کا اہتمام فرماتے۔ بعض دفعہ علم و معرفت کی یہ پاکیزہ محافل صبحِ صادق تک جاری رہتیں۔

دینی کتابوں کی فراہمی، قلمی کتابوں کی بڑے بڑے کتب خانوں سے نقلیں تیار کرانے اور انہیں خوبصورت جلدوں کے ذریعے محفوظ رکھنے میں آپ بہت دلچسپی اور شوق رکھتے تھے۔ فاضل بریلوی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فتاویٰ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جو جہازی سائز کی دس جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد ایک ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ آپ کی تحریک اور مالی تعاون سے پہلی بار لاہور کے ایک اشاعتی ادارے نے شائع کیا۔

جن نامور علمائے کرام سے آپ کے قریبی اور مخلصانہ تعلقات برابر قائم رہے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مخدوم العلما سحبانِ ہند حضرت سیّد محمد شاہ صاحب محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ آپ ایک بار بھرچونڈی شریف تشریف لائے۔ حضرت والا نے حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر بڑی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور ان کی آمد کو انتہائی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا۔

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کو بلند پایہ ولی اللہ

اور عارف باللہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کیلئے ۱۹۴۶ء میں بنارس پہنچے تو آپ کے استقبال کے لیے حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس خود ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے بقول مصنف "عباد الرحمٰن" جب حضرت محدث کچھوچھوی کی خدمت میں کرسی پیش کی گئی تو آپ نے یہ کہہ کر کرسی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا کہ "ایک اللہ والے کے استقبال میں جو قدم اٹھیں گے اور جتنی دیر اُس کی انتظار کی جائے گی یہ سب لمحات کل بروزِ قیامت میرے لیے توشۂ آخرت ثابت ہوں گے"۔

چنانچہ ریل پہنچنے تک آپ کھڑے رہے اور مجمع الکمال حضرت پیر سیّد مغفور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو کانفرنس میں پڑھے جانے والے اپنے صدارتی خطبے کے اقتباسات سناتے رہے آپ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء لکھنؤ میں واصل بحق ہوئے اور خانقاہِ قادریہ کچھوچھہ شریف میں دفن ہوئے۔ غزالی زماں رازیٔ وقت قائدِ اہلسنت حضرت علامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے اس قدر گہرے اور دیرینہ تعلقات تھے کہ ہر دینی معاملے میں آپ انہی کی رائے کو فوقیت دیتے حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابھی ملتان میں بھی مقیم نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے اُن سے تعلقات قائم ہو گئے۔ حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ گفتگو ایک دفعہ خود ارشاد فرمایا کہ پہلی بار میں بھرچونڈی شریف رام پور سے حاضر ہوا تھا۔

غزالی زماں بعض اوقات ہفتہ ہفتہ بھرچونڈی شریف میں قیام فرماتے آپ نے علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر سندھ کے قریے قریے میں ان کی تقاریر کرائیں،

تاکہ لوگ اپنے اعتقادات و اعمال کی اصلاح کریں۔

اگرچہ حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں قیام پذیر تھے اور آپ بھرچونڈی شریف میں۔ مگر روحانی اور قلبی تعلق اِس قدر گہرا تھا کہ دلوں کے تار آپس میں جڑے ہوئے تھے گویا۔

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بُعد نیست

راقم الحروف کو غزالیٔ زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے کئی سال تک دینی علوم کے استفادے کا موقع نصیب رہا ہے علمی دُنیا میں آپ کا مقام کیا تھا؟ میرے ناقص خیال میں لغت نے ابھی تک ایسے الفاظ ہی وضع نہیں کیے جو آپ کے علمی تبحر، استحضار، شرحِ صدر اور مختلف علوم پر حاکمیت کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔ آپ علم کے شہسوار تھے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ جونہی شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن کا ذکر آتا۔ غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک بشاشت سے کھل اُٹھتا اور گھنٹوں حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں اور باتیں دہراتے رہتے۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر آپ نے جو تعزیتی خط میرے والد گرامی کو لکھا اس کے دو جملے یہ تھے۔

"آہ! ایک حجتِ ایزدی، ایک ظلِّ رحمت اور سایۂ عاطفت ہمارے سروں سے اُٹھ گیا"۔

حضرت غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف آتے یا کسی دینی تقریب میں ملاقات ہوتی تو دونوں بزرگوں میں ایک دوسرے کیلئے تواضع، ادب اور انکسار کے جو نظارے دیکھنے میں آتے انہیں الفاظ کی صورت میں بیان کرنا ممکن نہیں"۔

غزالیٔ زماں انتہائی بلند اخلاق، مہمان نواز، کشادہ دست، کریم النفس اور دیدہ ور بزرگ تھے۔ بھر چونڈی شریف کی نسبت اور میرے والدِ گرامی سے پرانے تعلقات کی وجہ سے اس ہیچمداں پر خصوصی کرم فرماتے۔ میں نے آپ کی خدمت اور معیت میں پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں حاضری دی میرے سینے میں آپ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کی خوشگوار یادوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

میں نے علمی تبحر کے ساتھ ساتھ شخصی طور پر آپ کے اندر انکساری، فروتنی سادگی، درویشی، چھوٹوں کو بڑا بنانے کی کریمانہ عادات، چشم پوشی، درگزر، حلم و حوصلہ اور دین کے معاملے میں استقامت کے جو مظاہرے دیکھے انشاء اللہ العزیز وقت نے مہلت دی تو یہ ساری امانتیں حوالۂ قرطاس و قلم ہوں گی۔ میرے پاس آپ کے ڈیڑھ درجن سے زیادہ خطوط موجود ہیں۔ یہ خط میرے نام صادر ہوئے راقم نے چھ سات سال کا عرصہ آپ کی خدمت میں آپ کے گھر کی فرد کی حیثیت میں گزارا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سیّد مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ ہر اعتبار سے آپ کے نعم الخلف لنعم السلف ہیں۔ آپ اس فقیر سے للّٰہی محبت رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ ملک کے نامور عالمِ دین اور فقیہہ امام العلماء حضرت سیّد احمد ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ لاہور مجاہدِ تحریکِ پاکستان مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مفسرِ قرآن حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ، محدثِ اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (فیصل آباد) ایسے برگزیدہ علماء کے ساتھ آپ کے ہمیشہ نہایت قریبی اور مخلصانہ تعلقات رہے۔

علامہ سیّد ابوالبرکات اور حضرت مفتی احمد یار خاں گجراتی رحمۃ اللہ علیہم متعدد بار بھر چونڈی شریف بھی تشریف لائے۔

علمِ دین سے محبت اور لگن کے نتیجے میں آپ نے بے شمار نئے مدارس قائم فرمائے۔ بالخصوص اپنے مریدین و معتقدین کے اہم مراکز میں قرآن مجید اور حدیث و فقہ کی تعلیم و تدریس میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ فرماتے۔ جامعہ قادریہ سکھر، جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان، مدرسہ عربیہ کندھ کوٹ ضلع جیکب آباد کے تو گویا بانی ہی آپ تھے ان مدارس کو ذاتی طور پر گرانقدر عطیات عطا فرماتے۔ مدارس کے انتظامی اور تعلیمی امور میں دلچسپی لیتے۔

اہلِ سنت والجماعت کے مرکزی دینی مدرسے انوار العلوم ملتان اور فیصل آباد کے جامعہ مظہر الاسلام رضوی جامع مسجد سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا۔ ان اداروں کے سالانہ جلسوں میں اکثر جماعت سمیت جس کی تعداد سو ڈیڑھ سو درویشوں سے کبھی کم نہ ہوتی شریک ہوتے۔ عطیات پیش فرماتے۔ بعض مدارس کو مستقلاً سالانہ امداد بھجواتے یہ امداد ہمیشہ خانقاہِ عالیہ اور آپ کی بلند و بالا شخصیت کے مطابق ہوتی۔

تبلیغی دورے

سیّد العارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی دوروں کا جو طریقہ شروع کیا تھا۔ شیخِ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جدت، افادیت اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے ان میں چار چاند لگا دیئے یہ دورے خالصتاً تبلیغی انداز کے ہوتے۔ ان کا مقصد مریدین کی اصلاح و تربیت

غیر مسلموں کو اسلام کے اخلاق و اوصاف کے عملی نمونے دکھانا۔ اور فسق و فجور یا بدعات و منکرات میں مبتلا عوام کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ کرنا ہوتا۔

اس سفر میں جلبِ زر یا کسی اور دنیوی غرض کا کوئی شائبہ نہ ہوتا۔ جو بھی شخص دعوت پیش کرتا فوراً قبول کی جاتی۔ جماعت کے ہر درویش کیلئے ضروری تھا کہ وہ لوٹا مسواک اور لاٹھی ضرور ساتھ رکھے۔ صاحبِ دعوت پر معمولی بوجھ ڈالنے کی بھی سختی سے ممانعت ہوتی۔ غریب، نادار اور مسکین لوگوں کی دعوت پر جملہ اخراجات لنگر خود برداشت کرتا بلکہ روانگی کے وقت اُلٹا اور نقد اور جنس کی صورت میں اس کی مدد کی جاتی۔

آپ کے سفر کی صورت یہ ہوتی کہ تیس چالیس گھوڑے، بیس پچیس اونٹ ان پر نہایت نورانی شکل متشرع درویش سوار ہوتے۔ آپ کی سواری کے لیئے موٹر کار یا جیپ ہوتی۔ پیادہ پا فقراء اور مقامی جماعت کے لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوتے یوں آپ جہاں سے گزرتے معلوم ہوتا کہ کوئی والئ ملک گزر رہا ہے۔ بعض اوقات جماعتِ فقرا کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر کے ہزاروں تک جا پہنچتی۔

یہ برگزیدہ جماعت جہاں سے بھی گزرتی قادری صدیقی طریقے کے مطابق لا الٰہ الا اللہ کی ضرب بلند کرتی۔ ضرب کی یہ آواز اپنے اندر شان و شوکت اور قوت و سطوت کا جو پیغام رکھتی تھی اُسے الفاظ کی تنگنائی میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے اساتذہ اور طلبا، علوم دینی کے اساتذہ اور طلبا بھی شاملِ سفر ہوتے۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ جہاں اُترتے حلقۂ ذکر، تعلیم قرآن مجید اور تدریسِ احادیث و فقہ کے نغمات وہیں گونج اُٹھتے۔

امین الملّت میر محمد امین خاں کھوسہ کے تاثرات

ایک ایسے ہی سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے تحریک آزادئ وطن کے معروف رہنما متحدہ ہندوستان کے ممبر قانون ساز اسمبلی، مردِ درویش امین الملّت میر محمد امین خان کھوسہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"میرے مرشد و آقا شیخ المشائخ پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہ جگہ جنگل و بیابان ہوتی تو باغ و بہار بن جاتی۔ زمین و آسمان خوشی سے جھوم اٹھتے۔ چاروں طرف ایک مسرت آمیز روحانی فضا قائم ہوجاتی۔ دور سے آنے والے کو درخت اور اس زمین کے ذرات وجد میں معلوم ہوتے تھے۔ ہر چند آپ کی نشست کا انداز درویشانہ تھا مگر اس میں وہ رُعب اور دبدبہ کہ بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا یہی حقیقی درویشی جو اس درویش نما سلطان کے ہاں دیکھنے میں آتی۔"

(ذاتی یادداشتیں امین الملّت میر محمد امین خاں کھوسہ رحمۃ اللہ علیہ مملوکہ میر نظام الدین خاں کھوسہ برادرِ خورد امین الملّت مدظلہ)

دورانِ سفر آپ کے ساتھ علما کی ایک جماعت موجود رہتی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ "عالم ربانی حضرت علامہ حافظ سید مغفور شاہ القادری رحمۃ اللہ علیہ، فخر العلما استاذ المدرسین حضرت مولانا محمد عبد اللہ بھاٹیہ رحمۃ اللہ علیہ (آپ احمد پور لمہ کے قریب بستی لالا جی مولویاں تحصیل صادق آباد کے باشندے تھے) فخر المشائخ مولانا سید تاج محمود شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ آپ جید عالم دین، معقولات و منقولات کے ماہر اور نہایت صاحبِ تاثیر واعظ تھے)

واعظِ خوش بیان مولانا سیّد حضور بخش شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ کا تعلق سابق ریاست بہاولپور کے ایک نامور علمی خاندان سے تھا۔ شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ آپ انتہائی نڈر، بلاخوف لومۃ لائم کلمۂ حق کہنے والے عالمِ دین تھے۔ آپ کو اپنے شیخ کے آستان اور جماعت سے جو محبت تھی اس کے ذکر پر اہلِ دل آج بھی تڑپ اُٹھتے ہیں) راقم السطور نے لنگرِ عالیہ کے مطبخ کیلئے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھا کر بھرچونڈی شریف میں داخل ہوتے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

سابق ریاست بہاولپور کے قادر الکلام اور سحر بیان واعظ حضرت سیّد حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بعض دفعہ ان تبلیغی دوروں میں شامل ہوتے۔

اہم مقامات پر غزالیٔ زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شامل کیا جاتا۔ ان تبلیغی دوروں میں آپ کے خصوصی محب اور سیّد العارفین کی خصوصی دعاؤں کے حامل خاندان کے فردِ فرید سیّد غوث علی شاہ المعروف شان بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر موجود ہوتے۔

(سیّد شان بخاری مرحوم عالمِ دین، اعلیٰ پائے کے مقرر، نامور شاعر، قابل وکیل اور بے شمار دوسری خوبیوں اور کمالات کے حامل تھے۔ آپ سندھ کے انتہائی معتبر اور مشہور عالمِ دین حضرت سیّد محسن علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۵۰ء کے بڑے صاحبزادے تھے۔)

رسوم و رواج اور بدعات کیخلاف اقدامات

چونکہ یہ سفر کسی دنیوی منفعت کی خاطر نہیں بلکہ محض اعلائے کلمۃ الحق، اصلاحِ

اخلاق و اعمال اور رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیئے جاتے تھے۔ اس لیئے شیخِ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بلا جھجک خلافِ سنّت باتوں پر گرفت کرتے سنّتِ رسولؐ کے مطابق داڑھی رکھنے کا عہد لیتے۔ خلافِ سنّت بڑھی ہوئی بڑی بڑی مونچھیں اپنے سامنے ترشواتے، ہاتھوں سے انگوٹھیاں، چھلّے وغیرہ اتروا تے۔ مردوں سے سونے چاندی کے تمام زیور اور قمیصوں کے بٹن تک اُتروا دیتے۔

شادیوں پر فضول رسومات، ناچ گانے، ڈھول باجے، آتش بازی، جہیز وغیرہ کے بارے میں سختی سے ممانعت ہوتی۔ بھرچونڈی شریف سے تعلق رکھنے والے ہزاروں لوگوں نے حکمِ شیخ پر اپنی برادریوں سے صرف اس لیئے ناطے توڑ لیئے کہ وہ لوگ ان غیر شرعی رسومات کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔

آپ سگریٹ نوشی، نسوار چبنی، حقّہ کشی ایسی بے فائدہ اور لغو چیزوں سے اپنی جماعت کو سختی سے روکتے۔

آپ منت (نذر) کی مروجہ قسم جس میں مزارات پر جانور لے جاکر ذبح کرتے اور پھر عورتیں مرد اکٹھے ناچتے گاتے ہیں کو سختی سے منع فرماتے۔ آپ کے مطابق مزارات لہو و لعب کی جگہ نہیں یہ تذکرۂ آخرت کی جگہ ہے۔ کسی بزرگ کو ایصالِ ثواب کیلئے اس کے مزار پر مخلوط اجتماع کی بجائے گھر پر ایصالِ ثواب کرنا زیادہ بہتر ہے۔

الغرض تبلیغی سفر کے دوران یہ عملی تبلیغ جاری رہتی۔ ہزاروں لوگ فسق و فجور اور بدعات و رسوم سے تائب ہوتے۔ بے شمار غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوتے جہاں ضرورت ہوتی علماء کرام انتہائی سادہ مگر دلنشیں انداز میں وعظ و نصیحت کرتے وعظ و

نصیحت کی ان مجلسوں میں حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس موجود رہتے۔

دورانِ سفر دنیادار پیروں کی طرح نذر و نیاز کا ہرگز کوئی سلسلہ نہ ہوتا اگر کوئی شخص اپنی مرضی یا خواہش سے کچھ پیش کرتا تو اسے اجتماعی بیت المال کے نگرانوں کے سپرد کر دیا جاتا۔

قیام صلوٰۃ کا اہتمام

آپ خود نماز باجماعت کے ایسے پابند تھے کہ سنِ بلوغت سے دمِ واپسیں تک شاید ہی کوئی نماز جماعت کے بغیر ادا ہوئی ہو۔ آخری عمر میں ضعیفی اور بیماری کی بنا پر اپنے پاؤں پر چل کر آنے کی طاقت نہ رہی تو اپنے آپ کو چارپائی پر اٹھوا کر بھی جماعت میں شامل ہوتے رہے۔

فقہ کی کتابوں میں نماز کے بارے میں "صاحب ترتیب" کا جو لفظ پڑھا تھا عملاً اُسے شیخ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں دیکھا آپ کے دور میں نماز باجماعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ صرف تکبیرِ اولیٰ میں نہ پہنچنے والے کو پانچ جوتے لگائے جاتے۔

جونہی اذان کی آواز بلند ہوتی بھرچونڈی شریف کا سارا ماحول ساکت ہو جاتا۔ اب ہر شخص نماز کیلئے نکلتا۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ سنتیں اور نوافل جائے قیام پر ادا کرتے جونہی فرض نماز کیلئے آپ مسجد کی طرف نکلتے درویش فقراء میں حق ہُو کے مستانہ وار نعرے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتے۔ نماز کی ہر صف میں خشیت الٰہی سے آہوں اور سسکیوں کی آوازیں عجیب سماں پیدا کر دیتیں۔

سچ ہے ؎

غلغلِ تسبیحِ شیخ ارچہ مقبول است لیک
آہِ دردِ آلودِ رنداں، راقبولِ دیگر است

بعض لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اپنی کتاب "بلوچستان میں اردو" میں نوابزادہ یوسف عزیز خاں آف جھل مگسی کی بھرچونڈی میں حاضری اور شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا نہایت دلچسپ واقعہ لکھا ہے نواب زادہ یوسف عزیز خاں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، بیدار مغز، باغیرت مسلمان، اور نہایت صاحبِ درد شاعر تھے۔ آپ ۱۹۳۵ء کے زلزلۂ کوئٹہ میں شہید ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

نواب زادہ یوسف عزیز خاں آف جھل مگسی کی بھرچونڈی شریف میں نماز

میر محمد امین خان کھوسہ اپنے مضمون "بلوچستان میں دینی سیاست کی بنیاد رکھنے کیلئے تاریخ کا ایک مبارک ورق" میں لکھتے ہیں۔

"کہ وہ کانفرنس میں (آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد ۱۹۳۲ء) کے زمانے میں (۱۹۳۲ء) علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے وہاں سے جیکب آباد آئے پھر یوسف عزیز (نوابزادہ) کے ہمراہ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف (مجاہدِ اسلام شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ٹرین سے ڈہرکی اترے اور تانگہ میں بھرچونڈی شریف گئے۔ اسی راستے پر حضرت عبیداللہ سندھی

پاپیادہ حضرت حافظ صاحب (سیدالعارفین) کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے۔ بھرچونڈی شریف میں حضرت صاحب کی امامت میں یوسف عزیز اور امین کھوسہ نے نماز پڑھی یوسف نے امین سے پوچھا کہ "نماز یہاں پر ہمیشہ اسی طریق سے ہوتی ہے؟" پھر کہا "یہ تو مجاہد پیدا کرنے والی نماز ہے" واپس ہوئے تو یوسف عزیز کا چہرہ متغیر تھا۔ اس سے عیاں تھا کہ اُن کا دل اس مقدس فضا سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا ہے بھرچونڈی شریف سے ڈہرکی ریلوے اسٹیشن تک انہوں نے یہ مشہور نظم لکھی۔

"میں اگر چاہوں تو ذرّے کو بیاباں کردوں — قطرۂ آب میں پیدا سرِ طوفاں کردوں
یہ ارادہ ہے کہ اسلام کا خادم بن کر — ساری دنیا کو نئے سرسے مسلماں کردوں
پھر وہی بھولا سبق یاد دلاؤں سب کو — ہر بلوچ کو غرض عاملِ قرآں کردوں
جی میں آتا ہے کہ پھر طور کو آباد کروں — آتشِ دل سے پہاڑوں میں چراغاں کردوں
جوش میں آکے اگر نعرۂ اللہ ماروں — حق و باطل کے تفاوت کو نمایاں کردوں
میں وہ مجنوں ہوں اگر چاہوں جہاں کو یکسر — طرۂ یار کی مانند پریشاں کردوں
گاندھی و مالوی کے وعظ دھرے رہ جائیں — میں اگر قولِ محمدؐ کو نمایاں کردوں
اس قدر شعلہ فشاں بزمِ جہاں میں ہوجاؤں — ذرّے ذرّے میں بپا حشر کا ساماں کردوں
میں وہ مالی ہوں اگر کھول دوں دل کی سوتیں — خشک صحراؤں میں پیدا گل و ریحاں کردوں

اُسی ایقانِ براہیم کا وارث ہوں عزیز
اب بھی آتش کو اگر چاہوں گلستاں کردوں" [1]

---

[1] بلوچستان میں اردو: ۱۱۶-۱۱۷ ڈاکٹر انعام الحق کوثر شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ لاہور

"عبادالرحمٰن" کے مصنف نے بھرچونڈی شریف کی نماز کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے اگرچہ یہ واقعہ شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہؒ کے دور کا ہے تاہم حضرت شیخ ثالث کا دورِ مبارک بھی ہوبہو دورِ اوّل کی تصویر تھا کہ آخر باول نسبتے دارد۔

آپ لکھتے ہیں۔

"جب آپ نماز کیلئے تشریف لاتے تو کئی آدمی بے ہوش ہو جاتے جن کے کانوں میں کبھی اسمِ ذات کی صدا بھی نہ پڑی تھی ان سے ذکرِ الٰہی کے ترانے بے اختیار نکل جاتے۔ میاں لدھا مرحوم زرگر ساکن گڑھی اختیار خاں نماز اوّل وقت میں ادا کرنے کا سختی سے پابند تھا۔ بھرچونڈی شریف آیا نماز عصر میں معمولی تاخیر برداشت نہ کر سکا جماعت سے پہلے نماز ادا کر کے فارغ ہو بیٹھا۔ حضرت شیخ تشریف لائے صفیں درست ہوئیں نماز کا وہ سماں بندھا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ہچکیاں نہ لے رہا ہو بلکہ میاں لدھا مرحوم اپنے آنسو بھی نہ روک سکا۔ نماز دوبارہ حضرت کے ساتھ پڑھی حالانکہ نماز عصر کے بعد نماز جائز نہیں۔ اس نماز میں وہ شوق اور کیف میسر ہوا کہ ساری عمر کی نمازیں بے کیف اور خشک معلوم ہونے لگیں۔ نماز کے بعد مؤلف کتاب کے والد ماجد سے عرض کرنے لگا کہ حضرت! میری حقیقی نماز یہی ہے جو میں نے حضرت شیخ کے ساتھ پڑھی ہے۔ مجھے اب پتہ چلا ہے کہ نماز یوں پڑھی جاتی ہے۔

سچ فرمایا حضرت اقبالؒ نے۔

عشق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

آپ کے دور میں جن خوش قسمت حضرات نے بھرچونڈی شریف کی مسجد میں امامت کا شرف حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں۔

میاں جی غلام قادر استاذ الحفاظ حافظ محمد قاسم، زینت الحفاظ حافظ خیر محمد درویش خدامست میاں جی عبدالرحیم چاچڑ رحمۃ اللہ علیہم آپ کے دورِ مبارک میں تقریباً چالیس سال تک غلام حیدر فقیر نے آذان واقامت کی خدمات سرانجام دیں۔ اب عرصہ سے اذان کا فریضہ کامل فقیر راجڑ سرانجام دے رہا ہے۔ ان حضرات نے یہ خدمات زندگی بھر بلا مزدو اجرا انجام دیں۔

تواضع اور انکسار

حدیث شریف میں آتا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جو اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے سربلندی عطا کرتا ہے) مشائخ کرام نے اپنی دعوت اور طریق کار کی ساری بنیاد نرمی، محبت، انکسار اور تواضع پر رکھی ہے یہ لوگ حکمت اور موعظتِ حسنہ کے قرآنی حکم کی عملی تصویر تھے۔

صاحب تذکرہ مجاہدِ اسلام شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فروتنی عاجزی، انکساری اور بیچدانی کی زندہ تصویر تھے علماٗ مشائخ اور سادات کرام تو اپنی جگہ آپ عام انسانوں سے بھی اسی انکساری اور تواضع سے پیش آتے۔

لباس کبھی امتیازی نہ ہوتا۔ سیدھے گریبان کا قادری چولا، ٹخنوں سے ذرا

اوپر شلوار، سر پہ کلاہ قادری یا دستار۔ بعض اوقات کرتے پہ پیوند لگے ہوتے لباس سفید اور صاف ستھرا ہوتا۔

سادات اور علمائے کرام کا جو احترام آپ سے دیکھنے میں آیا وہ سراسر آپ کی روحانی خصوصیت کا امتیاز نظر آتا ہے۔ سادات کرام کے خاندان کا کوئی فرد آجاتا چاہے وہ بظاہر کتنا بے عمل کیوں نہ ہوتا۔ گداگری کیلئے کیوں نہ آتا۔ آپ اُس کے ساتھ یوں برتاؤ کرتے گویا وہ مالک و مخدوم ہے اور آپ اس کے ایک معمولی خادم پاؤں پر ہاتھ رکھتے۔ اپنی مسند خالی کر دیتے۔ خود دور دو زانو مؤدب ہو کر بیٹھتے۔ انتہائی نیازمندی عجز اور فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے خیر خیریت پوچھتے۔ سادات کے بچے تک سامنے آجاتے تو سروقد کھڑے ہو جاتے۔ یہی بچے اگر بار بار کھیلنے آجاتے تو ہر بار اُٹھتے۔ اپنے اساتذہ اور مشائخ سلسلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی عام فرد آجاتا تو اس کے لیئے بھی بچھ جاتے۔

ایک دفعہ بطلِ حریت شیخ المشائخ حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ سائیں دوم پیر پگارا رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف تشریف لا رہے تھے حضرت پیر سائیں رحمۃ اللہ علیہ قبلہ عالم پیشوائے سلسلہ قادریہ حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ صاحب الروضہ کے حوالے سے آپ کے مرشد اور خاندانِ سادات کے فردِ فرید تھے۔ آپ استقبال کیلئے بھرچونڈی شریف سے جماعت سمیت پیدل چل کر ڈہرکی پختہ روڈ تک پہنچے جونہی پیر صاحب رح تشریف لائے ان کا قافلہ بھرچونڈی شریف کی طرف مڑا تو کچی سڑک سے مٹی اور غبار کے بادل آسمان کو چھونے لگے۔ آپ قافلے کے پیچھے پیچھے اسی گرد و غبار میں چلنے لگے۔ جماعت کے کسی فقیر نے عرض کیا۔ حضور سڑک کو چھوڑ کر کنارے چلیں

تاکہ گرد و غبار سے محفوظ رہیں۔ آپ نے فرمایا صاحب الرحمۃ کی جماعت کے قدموں کی دھول میری آنکھوں کا سرمہ اور میری نجات کا سبب ہے چنانچہ سارا راستہ ایک ادنیٰ درویش کی طرح مٹی اور دھول میں پیدل چل کر بھرچونڈی شریف پہنچے۔

سُوئی شریف تشریف لے جاتے تو جُوتے خانقاہ کے احاطہ سے باہر اتارتے سید السادات حضرت سید محمد حسن شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (مرشدِ سید العارفین جنیدِ وقت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ) کی خانقاہِ عالیہ کے سجادہ نشینوں کا مرشدوں کی طرح احترام کرتے اپنے اساتذہ اور ان سے نسبت رکھنے والے افراد سے ہمیشہ انکساری اور تواضع سے پیش آتے۔

رئیس الاصفیا مجمع الکمال حضرت الحاج سید سردار شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے کافی عرصہ تک تعلیم حاصل کی۔ اُن کے وصال کے بعد ایک دفعہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر تشریف لائے تو راقم اس وقت وہاں موجود تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت والا مزار پر فاتحہ کے بعد تقریباً سو گز تک ننگے پاؤں اُلٹے قدم چلتے رہے پھر وہاں ٹھہر کر دوبارہ دعا مانگی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا تبار سے جس چیز کو نسبت ہوتی اسے سر کا تاج اور آنکھوں کا نور سمجھتے۔ خانقاہِ عالیہ بھرچونڈی شریف میں سید العارفین کے زمانہ مبارک سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک موجود ہے جس کی کبھی کبھار زیارت کرائی جاتی ہے۔ یہ طریقہ سید العارفینؒ نے خود شروع کیا تھا۔

حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں جب کبھی جبہ مبارک کی زیارت کا پروگرام ہوتا۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد عالیہ کے صحن میں منبر رکھوایا جاتا۔ منبر سے جبہ شریف

والے کمرے تک چٹائی کا خصوصی فرش بچھایا جاتا۔ نعت خوانی اور درود و سلام کی گونج میں آپ خود اس کمرے تک پہنچتے۔ اپنے ہاتھوں پر ململ کا صاف کپڑا لپیٹتے پھر جبہ مبارک اُٹھا کر اپنے سر مبارک پر رکھتے اور منبر تک پہنچتے اور جبہ مبارک کو کاندھے پر اُٹھا کر منبر پر کھڑے ہو کر جماعت کو جبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ایسے میں آپ کے آنسو رواں ہوتے۔ جماعت میں گریہ وزاری اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہوتیں اور نعت خوانی برابر جاری رہتی۔

اِس پاکیزہ محفل کے تقدس اور اس کی مسرت آمیز روحانی فضا اور محبتِ نبوی کے کیف کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہیں یہ محفلیں نصیب ہوئی ہیں۔

سراج الفقہا مولانا سراج احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے خود بیان فرمایا "کہ جس زمانے میں حضرت والا نے مجھے بھرچونڈی شریف میں تعلیم و تدریس کیلئے ٹھہرایا تھا میرے لئے کوئی باقاعدہ تنخواہ یا مشاہرہ مقرر نہ تھا بعض دفعہ تین تین ماہ کچھ نہ ملتا۔ بعض دفعہ اکٹھے بہت کچھ مل جاتا۔ آپ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت میرے دل میں خیال آیا کہ میرے مشاہرے میں اگر باقاعدگی پیدا ہو جاتی تو مجھے اطمینان حاصل ہو جاتا اگلے روز حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ میرے کمرے میں تشریف لائے تنہائی کا موقع ملا تو آپ نے فرمایا حضور! باقاعدہ تنخواہ اور مشاہرہ سے ملازمت اور نوکری کی صورت پیدا ہو جاتی ہے آپ میرے استاذ اور مالک ہیں۔ میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ آپ میرے ملازم ہیں۔ لہٰذا میں ایسی کوئی چیز گوارا نہیں کروں گا جس سے میرے مالک اور آپ کے ملازم ہونے کا شائبہ پیدا ہو۔

احترامِ اُستاد

سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بھرچونڈی شریف میں قیام کے دوران ایک دفعہ میں نے خلیفہ فتح محمد کی معرفت چند دنوں کیلئے اجازت چاہی خلیفہ فتح محمد نے میری طرف سے عرض کیا تو آپ رونے لگے. فرمایا فتح محمد! حضرت استاذ سے کہو آپ خود مالک ہیں جب جانا چاہیں تشریف لے جائیں جب دل چاہے تشریف لائیں. میں ادنیٰ شاگرد ہوں. میں کون ہوتا ہوں آپ کو اجازت دینے والا.

فرستندہ نے فرستادہ!

حضرت سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بسا اوقات میں گھر چلا جاتا اور خانگی ضروریات میں مصروف ہو جاتا. دس دس پندرہ پندرہ دن گزر جاتے جب کبھی فراغت ہوتی بلا اطلاع بغیر پروگرام گاڑی میں بیٹھ کر ڈھرکی پہنچتا بارہا ایسا ہوا کہ میں جونہی اُترا کوئی نہ کوئی درویش سواری لیے میرا منتظر تھا. پوچھنے پر بتاتا کہ حضرت نے حکم دیا ہے کہ استاذ آرہے ہیں. سواری لے جاؤ. آپ کا بیان ہے کہ سینکڑوں دفعہ اکٹھے بیٹھے ہوئے میرے دل میں خیال آتا کہ اگر حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ واقعتاً ولی اللہ ہیں تو فلاں کام سرانجام دیں. آپ فوراً وہی کام کرتے مجھے پھر علم تشکیک میں ڈال دیتا کہ یہ اتفاقاً ہوگیا ہے. ایک دفعہ میں نے ایک ایسی محفل میں یکے بعد دیگرے پانچ بار آپ کو آزمایا. میں دل میں کوئی شرط قائم کرتا آپ

فوراً وہی عمل کرتے. آخری بار میرے علم نے ہتھیار ڈال دیئے. اور میں رونے لگا. آپ انجان بن کر مجھے بہلانے لگے.

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ایک دفعہ شرق اردن کے کچھ سفرا سرکاری دورے پر ملتان آئے ہوئے تھے ان دنوں مدرسہ انوار العلوم کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا. غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں شرکت کی دعوت دی. انہوں نے قبول کر لی. اجلاس کے وقت یہ لوگ جلسہ گاہ پہنچے ان کے لیے اسٹیج پر کرسیاں لگوائی گئیں جبکہ تمام علمائے کرام اور مشائخ عظام بشمول حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ فرش پر تشریف فرما تھے بہت سارے حضرات کو ان کا کرسیوں پر بیٹھنا ناگوار گزرا. کئی صاحبان تو مجلس سے اُٹھ کر چلے بھی گئے آپ آخر تک اسی شان سے جلوہ افروز رہے جس طرح پہلے تھے. مہمان سفراء نے شانِ رسالت پر عربی میں تقریریں کیں. نشست کے اختتام پر آپ نے راقم کے والدِ گرامی حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا میاں صاحب! اگر یہ لوگ صرف نسبتِ وطن کو سامنے رکھ لیتے تو ناگواری محسوس نہ کرتے صرف اتنا خیال کر لیتے کہ یہ لوگ دیارِ عرب کے باسی ہیں نسبت کا یہ رشتہ ان کا دامن تھام لیتا لیکن افسوس کہ اِس نسبت پر ان کی نگاہ نہ پڑی مجھے اسی وقت نیچے بیٹھنے میں جو کیف و سرور حاصل ہوا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا.

میرا عہدیست با جاناں کہ جاں در بدن دارم
ہوا داراں کویش را چو جانِ خویشتن دارم

نہد شاخ پرُمیوہ سر بر زمیں

ابتدا میں سندھ کانگریس کا مضبوط گڑھ تھا، چنانچہ کانگریس کا زور توڑنے اور مسلم لیگ کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے آپ نے جو دور رس اور نتیجہ خیز انقلابی اقدامات کیئے وہ ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں. اِس تحریک کے دوران آپ نے سندھ کے تمام مشائخ اور گدی نشینوں کی ایک تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ سندھ کی یہ بااثر اور انتہائی محترم جماعت ایک مرکز پر جمع ہو کر برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام کیلئے راستہ ہموار کرے. عباد الرحمٰن کے مصنّف حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

"تنظیم المشائخ کی دعوت پر جب سندھ کے پیرانِ طریقت حیدر آباد میں عطا محمد اخوند کے مکان واقع تلک چاڑی میں جمع ہونے لگے تو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ میزبان کی حیثیت سے ہر صاحب طریقت بزرگ کا استقبال کرتے اور اسے اس کی نشست پر بٹھاتے. جب تمام اربابِ طریقت اور صاحبانِ سجادہ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ انتہائی بشاشت اور خوشدلی کے ساتھ صفِ نعال یعنی جوتیوں والی جگہ پر بیٹھ گئے گویا. ؎

درِ کوئے ما شکستہ دلی مے خرند و بس
بازارِ خود فروشی ازاں سوئے دیگر است

. آپ نے دورانِ تعلیم چند روز مولانا جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں تعلیم حاصل کی تھی. ایک دفعہ مولانا صاحب علاج کیلئے

شہر جاتے ہوئے دُعا کیلئے بھرچونڈی شریف تشریف لائے آپ کو حضرت استاذ کی آمد کی اطلاع ملی تو جوتا پہننا بھول گئے فوراً مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب اور تواضع سے ملے.

مولانا نور محمد صاحب چاچڑ راجن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آپ نے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی تھی، اُن کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف زمینوں کی پیمائش وغیرہ پر مامور سرکاری ملازم تھے. مولوی محمد یوسف بھرچونڈی شریف کے علاقے میں زمین کی پیمائش پر جب آتے تو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ اُن کے ساتھ موجود تمام عملے کا کھانا اپنے ہاں سے بھجواتے. بعض اوقات کھانا ساتھ اٹھوا کر خود بھی وہاں پہنچتے مولوی محمد یوسف کا یہ اعزاز اُن کے والدِ گرامی کی نسبت سے تھا جو آپ کے استاد تھے[1]

میلادُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے معمولات

سرورِ عالم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے آپ کو جو بے پناہ محبت تھی اس کے نظارے اکثر دیکھنے میں آتے جونہی شانِ رسالتؐ پر کسی عالمِ دین کا بیان شروع ہوتا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو جاتیں کیا مجال کہ ہیئت نشست بدلنے پائے بعض اوقات چار چار گھنٹے گزر جاتے مگر اللہ کا یہ مقبول بندہ اپنی وضع میں بیٹھا رہتا، نہ آرام کا خیال نہ تکیہ کی ضرورت. آنکھوں میں ساون بھادوں کا سماں، اپنی مستی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر.

عباد الرحمٰن کے مصنف پیر طریقت عالم ربّانی حضرت شاہ سیّد مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ.

---

[1] ماہنامہ شریعت سوانح حیات نمبر : ۴۷۹

"ایک دفعہ میں غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ پر مشتمل کتاب "الفتح الربانی" آپ کو سنا رہا تھا یہ مواعظ حسنہ آپ کے خلیفہ حضرت عفیف الدین ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کئے ہیں اس میں ایک مقام پر یہ ارشادات سامنے آگئے۔

یا غلام اجعله وزیرك معلمك هو الحاكم بين الارواح المربي للمريدين جهبذ المرادين امير الصالحين. قسام الاحوال والمقامات لان الحق عزوجل فوض ذلك اليه وجعله امير الكل الخلع اذا خرجت من عند الله بالجند انما تقسم على يد اميرهم[1]

"اے طالب راہ! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سہارا اور مرشد بنا۔ آپ ہی عالم ارواح کے حکمران، مریدوں کے والی، اہل مراد کی مراد نیکو کاروں کے امیر اور احوال و مقامات کے تقسیم کنندہ ہیں اس لیئے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے حوالے کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کائنات کا امیر بنایا ہے بادشاہ سے لشکر کیلئے خلعتیں نکلتی ہیں تو وہ تقسیم امیر لشکر ہی کے ذریعے ہوتی ہیں"۔

میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ایسا گریہ طاری ہوا کہ کئی دن تک جاری رہا۔ شب و روز کے معمولات میں فرق آگیا۔ الغرض کئی دنوں تک یہ

[1] : الفتح الربانی : ۹۷ مطبوعہ مصر

حالت قائم رہی۔"[1]

بارہ ربیع الاول یعنی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر نہایت خوشی و مسرت کا اظہار کرتے۔ کئی قسم کے طعام تیار کرائے جاتے مسجد عالیہ میں تمام جماعت صف بستہ ہو کر بیٹھ جاتی۔ آپ ہاتھ میں پانی کے برتن اٹھاتے، خاص خادم چلمچیاں اٹھاتے اور قبل از طعام ساری جماعت کے ہاتھ خود دھلواتے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی میں شامل ہونے والے خوش قسمت افراد کے ہاتھ دھلانا اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتے۔ بعد میں انتہائی خوبصورت برتنوں میں قسم قسم کے طعام فقرا کو کھلاتے۔ کپڑوں کی نہایت قیمتی پوشاک مع پاپوش کسی درویش کے حوالے کرتے اور اس کا ثواب بارگاہِ نبوی میں نذر گزارتے۔

[1] : عباد الرحمٰن : ۱۵۷

آپ کا اندازِ وعظ و نصیحت

اور اہم قومی مسائل میں اصابت رائے

آپ روایتی قسم کی تقریروں کو اصلاحِ اعمال کے سلسلے میں فائدہ مند نہیں سمجھتے تھے۔ پچھے دار تقریریں کرنے والوں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریر کرنے والے خطیبوں کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ بعض اوقات منبر پر بیٹھ کر انتہائی سادہ، پُر اثر قرآنی انداز میں جماعت کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور آپ کے یہ چند کلمات علمائے کرام کی مسجع تقریروں سے زیادہ کام کر جاتے تھے۔ زیادہ تر آپ توحید اتباعِ سنّت، دُنیا کی ناپائیداری اور غیر شرعی رسوم کے خلاف عنوانات پر لوگوں کو سمجھاتے۔

راقم کا مشاہدہ ہے کہ جونہی آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، زبان کھلنے سے پہلے مجمع سے گریہ و بکا اور آہ و فغاں کا شور پیدا ہو جاتا تھا۔ بھر چونڈی شریف کی اہم تقریبات میں راقم کے والدِ گرامی حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہی انداز

میں تقریر فرماتے۔ آپ کی تقریر کے دوران لوگوں کو تن من کی خبر نہ ہوتی۔ بعض لوگ روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ دورانِ تقریر چیخ و پکار اور گریہ و بکا سے سماں بندھ جاتا۔ یہ محفل ختم ہوتی تو لوگ ندامت اور خوف کے آنسوؤں سے گناہوں کے دفتر دھو کر اپنے آپ کو سبکبار محسوس کر رہے ہوتے۔

عام جلسوں میں آپ تقریر نہیں کرتے تھے البتہ سیاسی ہنگامہ خیزیوں کے دوران قومی اور ملّی اہم اجلاسوں اور میٹنگوں میں کھل کر آپ نے اظہارِ خیال فرمایا۔ آپ کی گفتگو کا اوّل و آخر، اسلام ہوتا۔

البتہ بھر چونڈی شریف میں اہم تقریبات میں مریدین و معتقدین کو ضرورِ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اخلاق و اعمال کو سدھارنے، سنوارنے کی تلقین فرماتے آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ آپ کے تدبّر اسلامی حمیّت اور دور اندیشی کا بہترین آئینہ دار ہے۔ اس کے کچھ اقتباسات ہم پیش کر چکے ہیں۔

۱۹۵۸ء کے آغاز میں جہانگیر پارک کراچی میں جمعیۃ علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم پر مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے "شہادتِ حسین" کے موضوع پر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت سیدنا طاہر سیف الدین" سلطان البُہرۃ" نے کی اور افتتاحی اجلاس میں صدرِ پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا، وزیرِ داخلہ ابو القاسم فضل الحق اور ملک کے نامور عمائدین شریک ہوئے اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ دو روزہ کانفرنس میں مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ الحاج داؤد ناصر، جناب آغا پوریا، علامہ رشید تُرابی، صاحبزادہ

سید فیض الحسن، مفتی پاکستان مفتی صاحب داد خانؒ، ابوالحقائق علامہ عبدالغفور ہزارویؒ
نے بھی خطاب کیا۔ اس کانفرنس میں پچاس ہزار سے زیادہ حاضری رہی۔

اس کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے کی۔ آپ نے جو صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے اہم نکات یہ تھے۔ آپ کے خطبے کا خلاصہ اور کانفرنس کی تفصیلات ہم کانفرنس کی مطبوعہ روئیداد بزبانِ عربی (المؤتمر السابع السنوی) سے ترجمہ کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔

خطاب مولانا پیر شاہ عبدالرحمٰن (رحمۃ اللہ علیہ)

اس اجلاس کا صدارتی خطبہ شیخِ طریقت حضرت مولانا پیر شاہ عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین بھرچونڈی شریف نے دیا اس میں آپ نے پاکستان میں فوری طور پر اسلامی قوانین نافذ کرنے اور ملک کے لیے اسلامی آئین مرتب کرنے پر زور دیا آپ نے فرمایا چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے لہٰذا جتنی جلدی ممکن ہو اسے اس کی اصل بنیادوں (اسلام) پر استوار کیا جائے۔ اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے۔

اس کے بعد آپ نے فتنۂ انکارِ حدیث کا ذکر کیا اور فرمایا کہ پاکستان میں کچھ لوگ کھلم کھلا صرف قرآن مجید پر عمل کرنے اور احادیث کو ترک کر دینے کی مہم چلا کر مسلمہ اسلامی ڈھانچے کو شکست و ریخت سے دوچار کرنا چاہتے ہیں حکومت اور عوام اس خطرناک مہم کے خلاف عملی اقدامات کریں۔ پھر آپ نے ملکی سطح پر ایک ایسے علمی دینی اور ثقافتی ادارے کے قیام کی تجویز پیش کی جو مسلمانانِ پاکستان کو کتاب و سنت کے

مطابق زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ (راقم کا خیال ہے بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل یا اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام اسی تجویز کی ایک نامکمل صورت ہے) آپ نے دینی تعلیمات کے فروغ کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی پھر مسئلہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے حکومت پاکستان کی طرف سے اس بارے میں سرد مہری اور کوئی جرأت مندانہ قدم نہ اٹھانے پر مسلمانانِ پاکستان کے بڑھتے ہوئے اضطراب، پریشانی اور قلق کا اظہار کیا اور جہادِ کشمیر کے لیے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح مجاہد پیش کرنے کا اعلان کیا۔

اس کے بعد آپ نے مسلمانانِ عالم بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے درمیان اخوت، محبت، اتفاق اور قریبی روابط کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا نیز آپ نے اسلامی دنیا کے عمائدین اور علما کو مختلف اسلامی ممالک میں آمد و رفت اور تبادلہ افکار و خیالات کے ذریعے باہم رشتۂ یگانگت اور محبت بڑھانے کی تجویز پیش کی۔ اجلاس کے اختتام پر مؤتمر نے صدرِ جلسہ حضرت پیر عبدالرحمٰن کی تائید میں حسب ذیل قراردادیں منظور کیں۔

۱۔ کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کے مطابق فوری طور پر پاکستان کے دستور کی تدوین اور اس کا نفاذ، اسی طرح مسلمانوں کے اوقاف اور دوسرے معاملات کی خاطر وزارت اوقاف کا قیام۔

۲۔ حج بیت اللہ کے سفر کیلئے ہر قسم کی پابندیوں کو ختم کرنا، حج سفر کو آسان بنانا سہولتیں فراہم کرنا۔

۳۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں حکومت کی سرد مہری، سستی اور عدم دلچسپی پر احتجاج

اس بارے میں فوری طور پر رضا کار مجاہدین کی تنظیم قائم کرنا بالخصوص حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار پیش کرنے صاحبزادہ فیض الحسن کے پچاس ہزار اور پیر سیّد دامن شاہ جیلانی کے پانچ ہزار رضا کار پیش کرنے کے اعلان کا خیر مقدم۔

۴۔ منکرینِ حدیث کے فتنے کے استیصال اور ان کے لٹریچر پر پابندی۔

۵۔ اُن مفاسد اور برائیوں کا جو اُمتِ مسلمہ کے جسم میں ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں قلع قمع کرنا۔ مثلاً شراب، زنا، جوا وغیرہ

۶۔ صیہونیت کی عالمی اسلام دشمن سازشوں کے خطرات، اسرائیل کی استعماری پالیسی سے نفرت اور مراکش والجزائر کے مجاہدین کی تائید کا اعلان۔

۷۔ مولانا عبدالحامد بدایونی پر مکمل اعتماد اور آئندہ آٹھویں جلسے کے انعقاد کے لیئے اُنہیں مکمل اختیارات دینے کا اعلان۔

اس کانفرنس میں صدر جمال عبدالناصر صدر مصر جناب انوار السادات نائب صدر، مفتی فلسطین امین الحسینی فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالرحمان تاج، شیخ الجامع الازہر کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔

آپ ﷺ کی محفل

عیرت و وقار کا مُرقّع

سیّد المرسلین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل اقدس کے وقار اور تقدس کے آداب خود ربّ العالمین نے قرآن مجید میں متعین فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ (الآیۃ)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اس بارے میں فوری طور پہ رضا کار مجاہدین کی تنظیم قائم کرنا بالخصوص حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار پیش کرنے صاحبزادہ فیض الحسن کے پچاس ہزار اور پیر سید امین شاہ جیلانی کے پانچ ہزار رضا کار پیش کرنے کے اعلان کا خیر مقدم۔

۴۔ منکرین حدیث کے فتنے کے استیصال اور ان کے لٹریچر پہ پابندی۔

۵۔ اُن مفاسد اور برائیوں کا جو اُمتِ مسلمہ کے جسم میں ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں قلع قمع کرنا۔ مثلاً شراب، زنا، جوا وغیرہ

۶۔ صیہونیت کی عالمی اسلام دشمن سازشوں کے خطرات، اسرائیل کی استعماری پالیسی سے نفرت اور مراکش والجزائر کے مجاہدین کی تائید کا اعلان۔

۷۔ مولانا عبدالحامد بدایونی پہ مکمل اعتماد اور آئندہ آٹھویں جلسے کے انعقاد کے لیئے اُنہیں مکمل اختیارات دینے کا اعلان۔

اس کانفرنس میں صدر جمال عبدالناصر صدر مصر جناب انوار السادات نائب صدر، مفتی فلسطین امین الحسینی، فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالرحمان تاج، شیخ الجامع الازہر کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔

آپؐ کی محفل

حیرت و وقار کا مُرقّع

سیدالمرسلین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل اقدس کے وقار اور تقدس کے آداب خود رب العالمین نے قرآن مجید میں متعین فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ (الآیۃ)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (الآیۃ)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل اقدس کے حاضرین کے ادب اور احترام کا نقشہ حدیث شریف نے اس طرح کھینچا ہے۔

کَاَنَّمَا عَلٰی رُءُوْسِهِمُ الطَّیْرُ۔

گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

یعنی وہ اس قدر دم بخود، ساکت و صامت اور مبہوت بیٹھے ہوتے کہ مبادا ذرا سی حرکت سے اُن کے سروں پر بیٹھے ہوئے پرندے اڑ جائیں۔ عزت بخاری نے محفلِ اقدس کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

ہمارے مشائخ صوفیا کے ہاں بھی ادب و احترام، سمع و قبول اور تسلیم و رضا کی یہ اسلامی رُوحانی روایت اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی ہے۔

ہمارے شیخِ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے اس نبوی وراثت کا حصہ وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا۔ آپ کی محفل حیرت و وقار کا ایک ایسا مرقع ہوتی تھی جس کی صحیح تصویر کشی الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں ہے سینکڑوں کی تعداد میں حاضرین موجود ہوتے مگر مچھر کی بھنبھناہٹ بھی سنائی نہ دیتی۔ حاضرین انتہائی مؤدب، دوزانو، خاموش گردنیں جھکائے بیٹھے ہوتے۔ حضورِ مرشد میں

نا پھوسی یا سرگوشی تو اپنی جگہ رہی باہم اشارے سے بات کرنا بھی سوءِ ادب سمجھا ... بالفاظ دیگر یہ محفل اس شعر کا مصداق ہوتی تھی۔

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں ؟
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

جسے کچھ عرض کرنا ہوتا یا جس سے کچھ پوچھا جاتا وہ دوزانو ہو کر پست آواز میں عرض پیش کرتا مگر ایک ہاتھ سے رومال یا عمامے کا پلڑا اپنے سامنے کر لیتا تاکہ منہ کی بدبو حضورِ شیخ کے مزاج پر اثر انداز نہ ہو اس خاموشی اور سکوت میں رہ رہ کر سرد آہیں۔ اللہ یا ہو کے نعرے بے ساختہ فقرا سے بلند ہو جاتے بسا اوقات محفل کے کونے کھدروں سے عشقِ الٰہی میں ہچکیوں اور سسکیوں کی دبی دبی آوازیں صاف سنائی دے رہی ہوتیں۔ الغرض محفل اقدس کی اس خاموشی اور سکوت پر ہزاروں رنگین بیانیاں اور خوش گفتاریاں قربان ہو رہی ہوتیں۔

بڑے بڑے نامور لوگ محفل میں داخل ہوتے تو عقل و ہوش گنوا بیٹھتے بدحواسی اور حیرت زدگی کے سینکڑوں واقعات بڑے بڑے لوگوں سے رُونما ہوتے گویا کیفیت یہ ہوتی۔

کسی کے آنے سے ساقی کے ایسے ہوش اڑے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

آپ آنکھ اٹھا کر حاضرین کی طرف دیکھتے تو لوگ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔ راقم السطور نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ مسجد

بیں عرس کی تقریب میں موجود تھے۔ مجمع کے آخر میں چاروں طرف ہزاروں
صف بستہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے تھے آپ نے جونہی نگاہ اُٹھائی سامنے کھڑ
ہوئے لوگ دھڑام سے دیوار کی طرح نیچے گر کر تڑپنے لگے۔ آپ نے دائیں
تو اللہ اللہ کرتی ہوئی یہ صفوں کی صفیں بھی اُلٹ گئیں پھر آپ نے بائیں نگاہ کی
کیفیت وہاں بھی رونما ہوئی۔ یہ کیا چیز تھی؟ دلوں پر اس قدر گرفت اور غلبہ سوا
حقیقی اللہ والے کے اور کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔

ہیبت حق است ایں، از خلق نیست
ہیبت ایں پیر صاحبِ دلق نیست
فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر
از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

آپ کی اِس محفل میں بیشتر گفتگو اشاروں کنایوں میں نہیں نگاہ ک
زبان میں ہوتی۔ نگاہ اُٹھاتے تو محرم راز خلفاً مثلاً راقم کے والدِ گرامی حض
سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ اور خلیفہ فتح محمد علیہ الرحمۃ نگاہوں نگاہوں میں مُر

ے خلیفہ فتح محمد ایک ایسا نام ہے جو شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر
کرتے ہوئے خود بخود ذہن میں آجاتا ہے برصغیر میں سلطان الاولیا حضرت خواجہ نظام الد
محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں جو درجہ یا رتبہ حضرت امیر خسروؒ کو حاصل تھا بلا شبہ
حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہی درجہ خلیفہ فتح محمد کو حاصل تھا۔ خلیفہ فتح محمد
شیخ کا نذر بردار، محرم راز، ہمدم و دمساز، ڈرائیور، پرائیویٹ سیکرٹری، ذاتی دربا
نعت خواں اور باڈی گارڈ تھا، خلیفہ فتح محمد معمولی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود متنوع خو
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کا مالک تھا وہ متشرع، پابندِ صوم وصلوٰۃ اور نہایت بااخلاق شخص تھا۔ انگریز افسران ہوں یا سیاستدان علمائ اور مشائخ ہوں یا نواب اور جاگیردار حضرت شیخ کا یہ سچا خادم ہر شخص کے نزدیک قابل عزت و احترام سمجھا جاتا۔ خلیفہ فتح محمد کی خدمت گزاری ہمہ وقتی تھی وہ رات دن اپنے آقا کے چشم و ابرو کے اشارے کا منتظر ہر وقت مستعد اور چوکس رہتا۔ حضرت شیخ کا اس قدر مزاج شناس اور محرم راز کہ صاحبزادگان ہوں یا پرانے خلفاً۔ یا جماعت کے معزز افراد اپنے مسائل حل کرانے کی خاطر خلیفہ فتح محمد کی منت وسماجت کرتے نظر آتے۔ بھرچونڈی شریف کی ذیلی خانقاہوں دین پور، امروٹ خان گڑھ جاتا تو وہاں کے مشائخ خلیفہ کے سامنے باقاعدہ نذر گزارتے۔ بھرچونڈی شریف کی جماعت میں خلیفہ فتح محمد کا احترام مثالی انداز میں کیا جاتا۔

خلیفہ فتح محمد چوہان قوم کا فرد تھا ان کے والد الٰہی بخش فقیر سید العارفین جنید وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت رکھتے تھے۔ خلیفہ فتح محمد بستی چوہان تحصیل صادق آباد میں سنہ ١٣١٠ھ میں پیدا ہوا۔ اور حسنِ اتفاق سے اسے شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے دودھ شریک بھائی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا کوئی سفر حضر اور جلوت وخلوت ایسی نہ تھی جس کا خلیفہ فتح محمد محرم راز نہ ہو۔ راقم السطور کے جدِ امجد شیخ طریقت الحاج سید سردار شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں خلیفہ فتح محمد کی پیشانی میں آثارِ سعادت دیکھ کر حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کو بطور خادم خاص اپنے ساتھ رکھنے کا مشورہ دیا۔ خلیفہ فتح محمد کی شادی حضرت شیخ نے کرائی ١٩٨١ء میں فوت ہوا اور روضہ عالیہ بھرچونڈی شریف کے قرب میں اپنے آقا کے سائے تلے میٹھی نیند سو رہا ہے خلیفہ فتح محمد کا بیٹا اللہ ڈتہ کا حاجی الٰہی بخش بدستور بھرچونڈی شریف میں ڈرائیوری اور دوسری خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

کا پیغام، حکم، خواہش یا ضروریات سب کچھ سمجھ لیتے۔ عام لوگ حیران رہ جاتے کہ صرف ایک دزدیدہ نگاہ سے ان لوگوں نے ہر دفعہ نئی بات کیونکر سمجھی۔ اِن محافل میں بعض اوقات آپ خود انتہائی سادہ اور موثر الفاظ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، مشائخ سلسلہ کے ملفوظات واقوال یا قرآن مجید کی کسی آیت کی تشریح فرماتے کبھی اِن محافل میں حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ الفتح الربانی پڑھے جاتے۔ اِس دوران محفل کا تقدس اسی طرح برقرار رہتا۔ ایک دفعہ راقم کے والد ماجد حضرت شاہ منظور القادری رحمۃ اللہ علیہ الفتح الربانی پڑھ رہے تھے حضرت شیخ سامنے موجود تھے اہلِ دل فقراء گوش دل اور چشم تر سے یہ مواعظ سُن رہے تھے کہ سامنے بیٹھے ہوئے ایک درویش نے پہلو بدلا میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب بند کر دی اور حضرت مرشد نے محفل برخاست کر دی۔ آپ نے فرمایا محفل کا خصوصی کیف ٹوٹ گیا ہے اب لذت اور ذوق وحضور کی مطلوبہ کیفیت حاصل نہیں ہوگی۔

علامہ منظور احمد نظامی کے تاثرات

معروف ماہر تعلیم علامہ منظور احمد نظامی[1] اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

[1] مشہور ماہر تعلیم علامہ منظور احمد نظامی خان پور ضلع رحیم یار خان کے ایک ممتاز دینی گھرانے کے فرد فرید ہیں آپ کے والد گرامی حضرت حافظ نظام الدین صاحبؒ باخدا درویش تھے آپ نے عمر بھر قرآن مجید پڑھایا سینکڑوں طلباء نے آپ سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ نظامی صاحب ریٹائرڈ ماہر تعلیم (بی اے (آنرز) ایم اے بی ٹی، ایڈمنسٹریشن (امریکن یونیورسٹی آف بیروت)

(باقی اگلے صفحہ پر)

اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط الآیۃ (الحج)

ایک مستند پیشگوئی کے مصداق قادریہ سلسلہ کے مرکز بھرچونڈی شریف کے خلفاء ومشائخ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بالترتیب اسماء الحسنیٰ، اللہ، الرحمٰن، الرحیم کے ساتھ ماقبل عبد لگانے سے تشکیل پاتے ہیں۔ عبداللہؒ، عبدالرحمٰنؒ، عبدالرحیمؒ ان میں مرشدی حضرت عبدالرحمٰنؒ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ زندگی کے ہر میدانِ عمل، زہد وتقویٰ، ریاضت، جہاد، تبلیغ۔ میں نمایاں درجہ کے حامل ہیں۔

مندرجہ بالا قرآنی آیت سے اِس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جو ملائکہ، رسولوں اور لوگوں میں سے (جسے چاہے) برگزیدہ بنا دیتا ہے۔

۱۹۴۶ء میں جبکہ میں ابھی ایک طالب علم تھا مجھے خان پور میں ہی اپنے شیخ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور میں بیعت سے نوازا گیا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

بلاشبہ احقر حضرت شیخ کی وجاہت اور نرم وگرم گفتگو سے بے حد متاثر ہوا۔ بارہا نگاہیں حضرتؒ کی دید کے لئے اُٹھتیں اور سیر نہ ہوتیں۔ لب کشائی فرماتے تو پھول جھڑتے۔ آپ دلنشیں پیرایہ میں اختصار سے تلقین فرماتے۔ میں پہلی ہی صحبت [illegible] رنگا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) کئی اہم تعلیمی اور انتظامی مناصب پر فائز رہے ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں، سابق پرنسپل جینیئس اکیڈمی آف سائنس لاہور۔ سابق پرنسپل جامعۃ الفاروق اسلامیہ رحیم یار خان، سابق پرنسپل رضا شاہ پبلک سکول ملتان۔

لبعدہٗ کئی بار شرفِ زیارت کیلئے بھر چونڈی شریف کا سفر کیا۔ یہ ہمار
خوش نصیبی تھی کہ آپ نے دو بار ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔

بھر چونڈی شریف میں قیام کے دوران عقیدت مندوں کی جوق در جوق
مہمانوں میں حضرت شیخؒ کا اپنے دستِ مبارک سے کھانے کی تقسیم بدستِ خود
کی قربانی، مرد و زن میں حضرتؒ کے دیدار کی تڑپ اور شوقِ عبادت از قسم ذکر
اور خشوع و خضوع سے ادائیگی نماز ایسے رقت آمیز مناظر مشاہدہ میں آتے۔ یہ ماحول
نے کبھی بچپن میں بانی مرکز دین پور شریف حضرت خلیفہ بھر چونڈی شریف فقیر غلام محمدؒ
زندگی میں دیکھا تھا۔

بھر چونڈی شریف اور دین پور شریف میں کئی لحاظ سے مماثلت ہے۔

- شہری آبادی سے ہٹ کر ایک ایسی بستیاں ہیں۔
- دونوں مقامات کی مسجدوں کا ایک ہی ڈیزائن ہے۔
- دونوں مراکز ایک ہی سلسلہ، سلسلہ قادریہ سے منسلک ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) سابق پرنسپل گورنمنٹ کمپری ہینسو ہائی سکول، سابق ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر
سابق پرنسپل اِن سروس / پری سروس ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ کالج۔ نظامی صاحب وضعدار
پابند صوم و صلوٰۃ اور بے شمار علمی و عملی خوبیوں کے مالک ہیں آپ کے سینکڑوں شاگرد ملک کے اہم
مناصب پر شاندار خدمات سرانجام دے رہے ہیں مشائخ بھر چونڈی کے پہلے تذکرہ "عباد الرحمٰن" کا
نظامی صاحب ہی نے تجویز فرمایا۔ آپکے دوسرے بھائی حافظ مقبول احمد صاحب والدِ گرامی کی مسند تدریس
بحسن و خوبی نبھاتے ہوئے ہیں آپکے چھوٹے برادران صدیق احمد، سعید احمد صاحبان بھی اپنے والد مرحوم کی
اور شرافت کے امین ہیں۔ ان تمام حضرات کو مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل ہے
اور یہ لوگ بھر چونڈی شریف کی جماعت کے لائق فخر فرزند ہیں۔

دین پور شریف اور وہاں کی مسجد کو دیکھ کر بھر چونڈی شریف کا نقشہ سامنے
آجاتا ہے اور میں یہ فکر کرتا رہ گیا کہ دین پور کے خلیفہ کو اپنے پیر و مرشد بھر چونڈی
شریف سے کس قدر والہانہ عقیدت مندی تھی کہ اُن کی پسند کو اپنی پسند قرار دیا۔

نعت خوانی ہمہ وقتی وظیفہ یا مستقل ادارہ

بھر چونڈی شریف کی تاریخ میں نعت خوانی کی شروع سے بڑی اہمیت
رہی ہے یہاں وعظ و تقاریر کی بجائے ذکرِ الٰہی یا نعت خوانی کو زیادہ ترجیح دی جاتی
خاص خاص تقریبات کے علاوہ دن رات نعت خوانی جاری رہتی۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ
علیہ نے نعت خوانی کو ایک ادارہ کی شکل دے دی۔ آپ کی خاص محافل قائم ہوتیں تو
انتہائی صاحب درد و گداز، پابندِ شرع اور ذاکر و شاغل درویش نعت خوانی کرتے۔
صاحب حال عرفا کا کلام پڑھا جاتا۔ اکثر و بیشتر جن بزرگوں کا کلام پڑھا جاتا ان کے
اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت سچل سرمست فاروقی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، فقیر خوش خیر محمد، دریا خان
مخدوم شاہ محمد اشرف کامارڈی، بلھے شاہ صاحب قصوری، مولانا جامی، امیر خسرو، مولانا روم
حافظ شیرازی، شمس تبریزی، سید عثمان مروندی عرف لال شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
وغیرہ۔

آپ کی نشست و برخاست اور گفتار و رفتار محبت نبویؐ کی آئینہ دار تھی۔
اس لیئے نعت خوانی کا یہ سلسلہ خاص تقریبات کے علاوہ سفر و حضر میں بھی جاری رہتا۔

وقتاً فوقتاً جن درویش فقرا نے آپ کے حضور نعت خوانی کی سعادت حاصل کی ان میں سے چند نام یہ ہیں ۔

فقیر فتح محمد کلاں، خلیفہ فتح محمد (خورد) حافظ صاحبڈنہ اور فقیر قمر دین کلوڑ حافظ بیگ فقیر دیر، محمد صالح فقیر، خلیفہ اللہ بخش فقیر خشک، حاجی آدم فقیر، کامل فقیر راجڑی ان میں سے کامل فقیر اور فقیر اللہ بخش خشک بقید حیات موجود ہیں اور نعت خوانی کی خدمت بدستور سرانجام دے رہے ہیں ۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جُبّہ مبارک کی زیارت ہوتی یا اعراس کی تقریبات جمعہ و عیدین کا موقع ہوتا یا سفر و حضر کی محافل، نعت خوانی کا مقدس سلسلہ ہر جگہ اور ہر موقع پر برابر جاری و ساری رہتا ۔

ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

تلک خیالات تُربّی بہا اطفالُ الطریقة

جو خالق کا وفادار نہیں مخلوق سے کیا وفا کرے گا ۔

الیکشن کا زمانہ ہے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے ایک امیدوار آپ کی خدمت میں امداد کی خاطر حاضر ہوتے ہیں دوران گفتگو نماز عشاء کی اذان ہو گئی آپ نے ارشاد فرمایا نماز پڑھ کر جانا مگر وہ کھانا کھا کر روانہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جو اپنے خالق کا وفادار نہیں وہ مخلوق سے کیا وفا کرے گا ۔

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

تعمیر دو جہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں

برطانیہ پر ہٹلر کے متواتر حملے شروع ہوتے تو شاہ انگلستان نے وائسرائے

ہند کو حکم بھجوایا کہ ہر مذہب کے بزرگوں سے دُعا کرائی جائے تاکہ جنگ کے یہ ہولناک بادل چھٹ جائیں گورنر سندھ کے حکم پر تحصیل اوباڑہ کا تحصیلدار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دُعا کی استدعا کی. آپ نے فرمایا گورنر سندھ سے کہو تمہاری حکومت میں فحاشی اور عریانی حد سے تجاوز کر گئی ہے لوگوں کے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں اگر قانونی پابندیوں کے ذریعے اسے کنٹرول کر سکو تو جنگ کے بند ہو جانے کا یہ فقیر ذمہ دار ہے بصورت دیگر ہم دُعا نہیں کر سکتے. ہندوستان بھر میں یہ انوکھا جواب انگریز حکومت کو صرف یہیں سے ملا.

کامل اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

اے تیری آواز، آوازِ خُدا

ایک دفعہ کراچی سے واپس تشریف لا رہے تھے سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں ایک عورت نیم عریاں مغربی لباس میں ملبوس سوار ہوئی. آپ نے نہایت سادہ اور دلنشیں الفاظ میں عریانی کے بُرے اثرات سے آگاہ فرماتے ہوئے اسلام میں عورت کے مقام کی اِس انداز سے وضاحت فرمائی کہ وہ بہت متاثر ہوئی. آپ نے اسے اپنا رومال عطا فرمایا تاکہ اپنے جسم کے اس حصے پر ڈال لے جو کھلا ہوا ہے وہ روہڑی اسٹیشن پر اُتری اور یہ کہہ کر حضرت کا رومال ساتھ لے گئی کہ یہ میرے لیئے سرمایۂ آخرت ہے. باقی عمر اس نے عریانیت سے توبہ کی. اور اسلامی لباس میں زندگی گزارنے کا عہد کیا.

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید

ایک دفعہ ایک شخص نے نام نہاد مدعی تصوف کا ذکر کیا کہ وہ کہتا ہے کہ توبہ

...ں و منحوس چیز ہے اس کا میرے سامنے نام بھی نہ لیا کرو. آپ نے فرمایا اُسے کہو. ...ے باوا شیطان کو بھی یہ چیز ناپسند تھی". واہ واہ سبحان اللہ!

احترامِ اذان

دورانِ اذان گفتگو کو سخت ناپسند فرماتے. حکم یہ تھا کہ جونہی اذان کی آواز کان میں پڑے سونے والا اُٹھ بیٹھے. ننگے سر والا سر کو ڈھانپ لے. کھانے والا اتنی دیر کھانے سے ہاتھ کھینچ لے اور اذان کے جواب میں مشغول ہو جائے. اذان میں بے رُخی اور بے پرواہی کو ادائے خداوندی کی تحقیر سمجھتے تھے.

انبیائے کرام کی داڑھیاں

آخری عمر میں آپ نے گنداواہ ریاست قلات کا سفر اختیار فرمایا. سیاحت کی غرض سے ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے وہاں ایک نوجوان پہاڑی باشندہ قدم بوس ہوا اسے ابھی تک، دنیا کے مسموم اثرات نے نہیں چھوا تھا. اس کی داڑھی کے نوخیز بال نہایت آزادی سے اس کے رخسار پر پھیل رہے تھے اس کے بالوں کی اِس بے ترتیبی پر شہروں کی تصنع و بناوٹ قربان ہو رہی تھی. آپ نے اس کا سر اُٹھا کر گلے لگایا اور داڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا. انبیائے کرام علیہم السلام کی داڑھیاں ایسی ہوا کرتی تھیں.

طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

سابق ریاست بہاولپور میں سفر کے دوران میاں نصیر محمد وہا نے عرض کیا حضور!

مزامیر کے ساتھ سماع کو بعض خانوادوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے مگر سلسلہ عالیہ قادریہ میں اس کی مخالفت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد ہوا سماع بالمزامیر دودھ کی طرح تحلیل بخلط غالب ہے دودھ کی خاصیت یہ ہے کہ پینے والے کے مزاج میں صفرا کا غلبہ ہے تو صفرا بڑھائے گا سودا کا غلبہ ہے تو سودا کو تقویت دے گا اگر تندرست ہے تو صحت کا معاون ہوگا بعینہٖ اسی طرح اگر سننے والے کے اندر ہوا و ہوس کا غلبہ ہے تو سماع اسے بڑھائے گا اگر نفسانی خواہشات سے پاک ہے تو عشقِ الٰہی کو قوت بخشے گا سننے والوں نے بھی شرائط کی پابندی سے سنا ہے۔ مشائخ قادریہ نے تمام حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے طالبِ راہ کے دل میں ذوق و شوق بڑھانے کیلئے اور طریقے ایجاد کئے ہیں مثلاً۔

تنت را دل کن و دل درد گرداں
کز نیساں کیمیا سازند مرداں

ان کے ہاں ذکرِ الٰہی سے سوز پیدا کر کے عشقِ الٰہی کو تقویت دی جاتی ہے اور سماع بالمزامیر سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے بھی بچاؤ ہو جاتا ہے۔

اتباعِ شریعت کے ثمرات

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ صرف شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے وہ فوائد اور ثمرات حاصل ہوتے ہیں جو عمر بھر کی دوسری ریاضتوں اور مجاہدات سے نصیب نہیں ہوتے۔

گناہ میں بدبو ہوتی ہے

پیرِ طریقت حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ

ہم نے امام نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلک السلوک" کے حوالے سے عرض کیا کہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گناہ کی بدبو ہوتی تو کوئی شخص میرے ساتھ نہ بیٹھ سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا ان کا فرمان بجا ہے مگر مجھے بدبو آتی ہے جس جگہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا گیا ہو۔ بدبو کے سبب میں وہاں بیٹھ نہیں سکتا۔ بالخصوص جہاں زنا کا ارتکاب کیا گیا ہو وہاں مجھے مرغیوں کی بیٹ کے مشابہ بدبو آتی ہے۔

سانحۂ کربلا اور فقرِ نبوی آپ کی نظر میں

ایک دفعہ ارشاد فرمایا سانحۂ کربلا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کے واقعات بعض واعظین اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ سے بھی دل میں شکوہ ہونے لگ جاتا ہے۔ کربلا کے واقعہ میں اگر حضرت امام کے صبر، ثبات، استقلال، پامردی، شجاعت، جوانمردی اور رضا بقضاء اللہ کے مقامات کو وضاحت سے بیان کیا جائے تو سامعین کے دلوں پر حضرت امام کی بے بسی اور تشنگی، اسی طرح خواتینِ اہلبیت کے خود ساختہ نوحوں کا اثر نہ ہو۔ یہ بعض علماء اور ذاکرین اس لیے کرتے ہیں کہ محفل میں گرمی پیدا ہو۔ اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ آپ کا فقر اختیاری ہے اضطراری نہیں ہے۔

جس نے دیکھے نین متوالے تیرے

مذہبی اجتماعات میں سجادہ نشین حضرات جبہ و عمامہ زیبِ تن کیے ہوئے اسٹیج پر تشریف فرما ہوتے ادھر یہ مجاہد بھی اپنے سادہ لباس میں اسٹیج کو رونق بخشتا تو ہر آنکھ

آپ کی موہنی صورت کی تماشائی ہوتی. دکانداروں کی دُکانیں بے رونق معلوم ہوتیں۔

ظہورِ صبح نے سب کارخانہ کر دیا ابتر

فروغِ شمع کا، پروانہ کا، اربابِ محفل کا

پروانوں کا جمگھٹا اتنا دلفریب ہوتا کہ دیکھنے والا حیران و ششدر رہ جاتا

آپ کی موٹر کار شمع معلوم ہوتی جس پر پروانے قربان ہو رہے ہیں یا کعبہ جس کے گرد مستانے طواف کر رہے ہیں۔

ژندۂ فقرِ معالی

ایک دفعہ خان پور ضلع رحیم یار خان میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے جلسے میں صدر کی حیثیت سے اسٹیج پر تشریف فرما تھے مگر کُرتے کے دونوں شانوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں حضرت مولائے مشکل کشا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ان اددت ان تلقی صاحبک فرقع قمیصک وقلل حرصک وکل من دون الشبع. اگر آپ دوستِ حقیقی کا وصال چاہتے ہیں تو کُرتے کو پیوند لگائیں. آرزوؤں کو کم کریں اور سیر ہو کر نہ کھائیں. اس کا نظارہ آپ کی ذات میں صاف نظر آ رہا تھا. لسان الغیب حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے کتنی برمحل بات کہی.

ژندۂ فقرِ معالی چہ محل عالیست

کہ شود شاہِ رسل بخیہ کشِ دلقِ صہیبؓ

عقل و دل و نگاہ کا مُرشدِ اوّلیں ہے عشق

جس مصلیٰ پر گنبدِ خضرا یا بیت اللہ کا نقشہ ہوتا اس پر کبھی نماز نہ پڑھتے. کئی علماء و مشائخ کو ایسے مصلّوں پر بیٹھتے اور ان کو روندتے دیکھا ہے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کی زیارت مسجد میں خود کراتے. کیفیت یہ ہوتی کہ جبہ مبارک کی صندوق کو بھی ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر ہاتھ لگاتے. گویا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب اشیاء کو قرآن مجید کا درجہ دیتے. شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو بغیر وضو ہاتھ نہ لگایا جائے. طریقت کا ادب یہ ہے کہ باوضو ہوتے ہوئے بھی قرآن یا صاحبِ قرآن کے مستعملہ اشیاء جات کو ہاتھ لگانے کیلئے پہلے کپڑا لپیٹنا چاہیئے.

سادہ کاغذ کا اتنا ادب فرماتے کہ زمین پر پڑا ہوا نہ دیکھ سکتے خود اٹھا کر کسی دیوار کی دراز میں دبا دیتے. ایک دفعہ خلیفہ فتح محمد بازار سے نئے سلیپر کاغذ میں لپیٹ کر لایا آپ بہت خفا ہوئے.

جس پلنگ پوش یا تکیے پر کوئی شعر وغیرہ کڑھا ہوتا اس پر نہ سوتے. علماء اور مشائخ کرام کا ذکر انتہائی تعظیم سے فرماتے. کسی سے کوئی گستاخانہ یا ناشائستہ لفظ سنتے تو سارا سارا دن بے قرار رہتے.

چاندی کے برتنوں میں کھانے سے انکار

سردار دادن خان لُنڈ کی دعوت پر کھانا چاندی کے برتنوں میں پیش کیا گیا. آپ نے دیکھا تو کھانے سے انکار کر دیا. کھانا دوسرے برتنوں میں منتقل کیا گیا تو آپ

نے تناول فرمایا۔ بعد میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چاندی کے برتنوں میں کھانے سے عُجب و غرور کا احساس ہوتا ہے۔

آدمیت احترامِ آدمی ہے

انگریز کے دورِ حکومت کے زمانے میں شملہ کی سیر پہ تشریف لے گئے وہاں اس زمانے میں پہاڑ کے پُر پیچ اور صعودی راستوں کو طے کرنے کیلئے سواری کام نہیں دیتی تھی طاقتور مزدور کاندھوں پہ بٹھا کر اوپر پہنچاتے تھے آپ وہاں پہنچے تو مزدور بھاگ کر پیش ہونے لگے آپ نے فرمایا انسان پہ سواری شرعاً ممنوع اور شرف و عظمت انسانی کے خلاف ہے آپ نے یہ مسافت پیدل چل کر طے کی۔

نمی روم براہے کہ کارواں رفتہ است

سالن بہت اچھا پکا ہوتا تو عموماً اس میں تھوڑا سا پانی ملا لیتے عذر یہ فرماتے کہ اس میں مرچ زیادہ ہے حالانکہ مخالفت نفس کے سوا مقصد اور کچھ نہ ہوتا تھا گھڑی بجائے کلائی پہ باندھنے کے کہنی سے اوپر باندھتے۔ ارشاد فرماتے مقصد وقت شناسی ہے یہ مقصد اس طرح پورا ہو جاتا ہے کلائی پہ باندھنے سے بار بار وضو کی خاطر اتارنا پڑتی ہے۔

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے

مرید کو مرید کی بجائے دوست کے لفظ سے یاد کرتے۔ ایک دفعہ ریل میں [...]

[...] کے مشہور شاعر اور سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکم علیہ الرحمۃ مئو مبارک کے خاندان کے رکن رکین مخدوم محمد بخش علیہ الرحمۃ کی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ دوران گفتگو مخدوم صاحب اپنے خاندان کی حشمت و شوکت اور کثرت تعداد مریدین کے فسانے شاعرانہ انداز میں بیان کرتے رہے۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے۔ آخر میں مخدوم صاحب نے آپ سے سفر کی غرض و غایت پوچھی تو آپ نے فرمایا مئو مبارک کے قریب ہمارا ایک دوست ملک اللہ بخش رہتا ہے ہم اس کے پاس جا رہے ہیں۔ آپ ملک اللہ بخش مرحوم کے ہاں پہنچے تو وہاں سے ملک صاحب کے ہاتھ شہد کی ایک بوتل مخدوم صاحب کو بھجوائی مخدوم صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور ملک اللہ بخش سے فرمایا: "تمہارے پیر نے میری ساری شیخی کرکری کر دی۔ میں تو اپنے مریدوں کی کثرت پر ناز کرتا رہا۔ مگر اس نے مرید کو دوست کہہ کر مجھے توجہ دلائی۔ کہ مرید کو مرید کہنا فخر و غرور کا اظہار ہے۔

مشائخ سلسلہ کی نسبت سے

ایک دفعہ پیشوائے سلسلہ قادریہ حضرت پیر سید سکندر علی شاہ المعروف شاہ مردان شاہ پیر پاگارا (موجودہ) مدظلہ العالی بھرچونڈی شریف تشریف لائے مسجد میں جانے لگے تو آپ نے ان کے بوٹ بڑھ کر خود اٹھا لیے۔ ایک درویش نے لینا چاہے تو فرمایا انہیں اٹھانا میرا حق ہے۔

شانِ غوثیت

ایک دفعہ دوران تقریر ایک مقرر نے بیان کیا کہ بعض جہلاء کے نزدیک شب

معراج حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوش مبارک پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
کے قدم مبارک رکھے اور اس طرح آپ عرش پر پہنچے گویا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش
پر پہنچانے والے غوثِ اعظم ہیں۔ یہ نبوت کی تنقیص ہے اور غلط واقعہ ہے تقریر کے بعد
آپ نے مولوی صاحب کو بلایا اور فرمایا اگر یہ واقعہ اس طرح بیان کیا جائے کہ شب
معراج سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کاندھوں کو اپنے نورانی
قدموں سے مشرف فرمایا تو اس سے تنقیص بھی لازم نہیں آتی۔ اور شانِ غوثیت بھی چمک جاتی
ہے۔ اسی وجہ سے حضور غوث اعظم کی زبان مبارک سے نکلا قدمی ھذہ علی رقبۃ
کل ولی اللہ۔ جب آپ کے کاندھوں نے نوری قدموں کو چھوا یا تو ہر ولی کے کاندھوں
نے آپ کے قدموں کو اپنے اوپر رکھنے میں فخر سمجھا۔ اور اپنی ولایت پر مہر تصدیق
ثبت کرائی۔

پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا

ایک دفعہ آپ بستی مولویاں (ضلع رحیم یارخان) میں ایک دعوت پر تشریف لے گئے
تھے کہ بدعت کا ذکر چل پڑا۔ بستی مولویاں کے دینی مدرسہ کے ایک استاذ کہنے لگے کہ
یہاں عورتیں زیبائش کیلئے اُبٹن استعمال کرتی ہیں جو جو کے آٹے سے بنتا ہے حالانکہ
جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرغوب غذا تھی یہ کس قدر بے ادبی کی بات ہے کہ اس آٹے
کو بدن پر مل مل کر مسلا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا مولانا گندم کا آٹا بھی تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا ہے اس طرح اُسے بھی پھوڑے پھنسیوں پر ادویات میں
ملا کر باندھنا بے ادبی قرار پائے گا اسی طرح زمزم کا پانی پینا بھی بے ادبی میں داخل ہو

کیونکہ سب پانی کا کچھ حصہ پیشاب بنتا ہے زن و شوہر کی باہمی محبت مطلوب شرع ہے۔
اگر جو کا آٹا اس غرض سے استعمال کیا جائے تو عورت اس شوہر کو خوبصورت نظر آئے
اور زندگی خوش و خرم گزرے تو یہ عین ادب ہے اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

غیر محرم کے ساتھ تخلیہ ممنوع ہے

اشغال باطنی سالکینِ راہ کو خلوت ہی میں سمجھائے جاتے اگر مستورات میں سے
کسی نے کوئی باطنی شغل پوچھنا ہوتا یا کوئی خاص بات کرنا ہوتی تو اپنی صاحبزادیوں یا
ازواج میں سے ضرور کسی کو بلا کر شامل کر لیتے تاکہ اجنبیہ کے ساتھ خلوت کی ہلکی سی
صورت کا وقوع بھی نہ ہو۔

دین سراسر نصیحت ہے

پیر طریقت حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ عباد الرحمٰن میں لکھتے ہیں۔
"ایک دفعہ سکھر ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترے یہ فقیر اور تین چار اور
درویش بھی ساتھ ہیں پلیٹ فارم سے نکلے سامنے تانگے صف بستہ کھڑے ہیں۔ ایک کوچوان
کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کتنے عرصہ سے تانگہ چلا رہے ہو اس نے کہا پانچ سال
سے۔ فرمایا اس عرصے میں کسی کو حسبۃً اللہ (اللہ واسطے) بھی سوار کیا ہے اس نے کہا
ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا تو اب سوار کر لو۔ اس نے کہا کسی اور کے پاس
جایئے آپ دوسرے کوچوان کے پاس گئے اس نے بھی یہی جواب دیا۔ چار یا پانچ جگہ سے
یہی جواب ملا تو ایک کوچوان نے خود بلایا۔ اور دعوت دی کہ میرے تانگے میں سوار ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ملے گا اس نے کہا میں نہیں لوں گا۔ مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ میری اجازت کے بغیر آپ اُتریں گے نہیں۔ اس میں سوار ہو گئے منزلِ مقصود پر پہنچے تو مجھے حکم دیا اسے تین روپے دے دو جو کرایہ سے چند گنا زیادہ تھے پھر تانگے والے سے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا میں سید ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ چیز آپ کو اپنے مورثِ اعلیٰ خواجۂ کائنات سلطان رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے جنہوں نے ساری کائنات کو پار لگانا ہے۔

بعد میں میں نے عرض کیا حضور! اس طرح ایک ایک کو جوان کے پاس جانے میں کیا حکمت تھی۔ آپ نے فرمایا۔ دین نصیحت کا نام ہے۔ انہیں راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تعلیم دینا پیشِ نظر تھا تانگے والے نے کرایہ نہ لینے پر کافی اصرار کیا لیکن آپ نے اُسے دلا دیا۔"

عباد الرحمٰن : ۱۴۹

بعض اوقات انبیائے کرام کی دعائیں بھی چالیس سال بعد قبول ہوئیں

منشی خدا بخش صاحب رِہا مرحوم جو حضرت شیخ ثانی سے شرفِ بیعت رکھتے تھے آپ شب بیدار، عابد و زاہد اور نہایت بے باک اور صاف گو شخص تھے ضلع رحیم یار خان میں گرداور قانون گو کے عہدے پر فائز تھے آپ فقیر دوست شخص تھے اولادِ نرینہ سے محروم تھے برصغیر کی کوئی خانقاہ اور درویش ایسا نہ تھا جہاں اولادِ نرینہ کی تمنا لے کر نہ گئے ہوں۔ ایک دفعہ منشی صاحب مرحوم بھرچونڈی شریف آئے عشاء کی نماز حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی اقتداء میں پڑھی۔ حضرت فرض ادا کر کے باہر نکلے تو منشی صاحب بھی پیچھے چل پڑے آپ نے حویلی کے صدر دروازے کے اندر قدم رکھا تو منشی صاحب مرحوم نے آپ کا بازو تھام لیا اور کہا حضرت! اگر آپ کے پاس کچھ ہے تو مجھے اللہ تعالیٰ

سے اولادِ نرینہ لے دیں اور اگر کچھ نہیں ہے تو پھر یہ ہو حق کس لیئے ہے؟ یہ سب کچھ چھوڑیں۔ آپ نے گلوگیر آواز میں فرمایا۔ خدا بخش! میں ایک خطا کار انسان ہوں رب ایسا بے نیاز ہے اس نے تو بعض اوقات چالیس چالیس سال انبیاء کرام کی دعائیں قبول نہیں کیں۔ میں کون ہوتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ رونے لگے۔

غصے کی حالت میں نماز پڑھانا مکروہ ہے

ایک دفعہ آپ عصر کی نماز کیلئے تشریف لائے۔ چہرے مبارک کا رنگ سرخ تھا اور اس سے ناگواریِ خاطر کے آثار صاف جھلک رہے تھے۔ اتفاق سے اس روز امام مسجد موجود نہیں تھے۔ اقامت بلند ہوئی تو حسبِ معمول جماعت آپ کی امامت کا انتظار کرنے لگی چند لمحے گزرے تو آپ نے خفگی کے انداز میں فرمایا کوئی نماز پڑھائے سب لوگ مر گئے ہو گیا۔ ایک درویش نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ مغرب کے بعد ایک محرم راز درویش نے موقع پا کر تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا ایک خلافِ شرع کام دیکھنے کی وجہ سے میری طبیعت بہت زیادہ پراگندہ اور رنجیدہ تھی۔ اس حالت میں نماز کی امامت کراہت سے خالی نہیں اس لیئے میں آگے نہیں بڑھا۔

غلاموں سے محبت

ایک دفعہ لنگرِ عالیہ کی زمینوں کی بٹائی وغیرہ پر مامور ایک درویش نے بٹائی کے بعد لنگر کے حصے کے اناج میں سے چالیس بوری گندم اپنے گھر بھجوا دی۔ درگاہِ عالیہ کے خدام اور منتظمین کو پتہ چلا تو انہوں نے معاصرانہ چشمک کی بنا پر بات کو

مزید نمک مرچ لگایا۔ تین دن روزانہ یہ لوگ وفد بنا کر ہر نماز کے بعد حضرت والا کے
بڑے شد ومد کے ساتھ یہ مسئلہ پیش کرتے مگر آپ بات سنی ان سنی کر دیتے۔ آخر
روز مجبور کر کے آپ کو بنگلے میں لے جایا گیا مدعیوں نے گواہوں کی شہادتوں سمیت
پیش کیا۔ الزام علیہ کو بھی پیش کیا گیا۔ مدعیوں کے دلائل اور الزامات آپ خاموشی
سنتے رہے۔ جب اُن کی باتیں ختم ہوئیں تو آپ نے اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا
یہ شخص (الزام علیہ) پچاس سال سے تمہاری خدمت کر رہا ہے۔ تم نے آج تک اُ
کوئی معاوضہ دیا ہے۔ سزا اور سخت احتساب کے منتظر حضرات ایک دوسرے کا منہ
دیکھنے لگے اور آپ اُٹھ کر اندرون حویلی چلے گئے۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

تم کو غلاموں سے ہے کچھ ایسی محبّت
ہے ترکِ ادب ورنہ کہیں ہم پہ فدا ہو

الولد سرٌ لابیہ

شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ ایک دفعہ تانگے پر سوار ہونے لگے اچانک آپ کی نگاہ سامنے والے تختے پر پڑی آپ نے دیکھا کہ وہاں کسی نے اسمِ مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا ہے آپ تانگے سے فوراً اتر پڑے کوچوان ابراہیم فقیر مارواڑی کو حکم دیا کہ اسے کھرچو اس نے نام مبارک کے حرف کھرچے آپ نے مسالہ ہاتھ میں لے کر فرزند ارجمند حضرت شیخ ثالث پیر عبدالرحمٰن کو بلایا اور ان کے حوالے کر دیا۔ آپ نے فوراً یہ مسالہ منہ میں ڈال کر نگل لیا۔ گویا آپ نے اشارہ سمجھ لیا کہ ایسا مسالہ جس میں اسمِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملا ہوا ہے اسے ودیعت رکھنے کیلئے عاشق کے سینے سے بہتر

... کوئی علاج نہیں ہے۔

تو خود وقت قیام خویش دریاب
نماز عشق و مستی را اذان نیست

میر جعفر خاں جمالی کا اظہارِ عقیدت

سندھ و بلوچستان کے جاگیرداروں اور وڈیروں میں میر جعفر خاں جمالیؒ ایک ایسا منفرد نام ہے جو اپنی شرافت، دینداری، مستقل مزاجی، درویشی، انکسار، فیاضی اسلام اور پاکستان سے فطری اور طبعی محبّت مسلم لیگ کیلئے خدمات اور درویشوں سے لگاؤ، ایسی خوبیوں کی بنا پر کم از کم جاگیرداروں اور وڈیروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

قارئین اسی کتاب میں یہ واقعہ پڑھ چکے ہیں کہ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کراچی میں نظر بند ہوئے تو سرورِ عالم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میر جعفر خاں جمالی مرحوم کو اپنے جمالِ جہاں آرا سے مشرف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اللہ بخش (خان بہادر) وزیر اعلیٰ سندھ سے کہو پیر صاحب کو فوراً رہا کرے۔" امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ علیہ الرحمۃ نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس واقعہ سے میر جعفر خان جمالی مرحوم کا مقام و مرتبہ کھل کر سامنے آجاتا ہے ساتھ ہی مرحوم خان بہادر اللہ بخش سومرو کے مرتبے کا بھی پتہ چلتا ہے۔" ہرچند کہ خان بہادر کا مرتبہ بارگاہِ نبویؐ میں میر جعفر خاں جمالی سے ذرا کم ہے تاہم ان لوگوں سے تو یقیناً بدرجہا بلند ہے جنہیں سات ماہ کی نظر بندی کے دوران سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کرنا یا پیغام بھجوانا بھی پسند نہیں فرمایا۔ خان بہادر اللہ بخش سومرو کو وزارت کے منصب پر فائز ہوئے ہفتہ بھی نہیں گذرتا کہ اپنے ایک مقرب

(میر جعفر خان جمالیؒ) کے ذریعے اسے پیغام مل جاتا ہے۔

ایک دفعہ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ریل میں سفر کر رہے تھے کہ راستے میں میر جعفر خان جمالی مرحوم کو ہمرکابی کا شرف حاصل ہو گیا میر صاحب مرحوم نے پہلے آپ کے پاؤں مبارک کو چھو کر نیازمندی کا اظہار کیا پھر آپ کی نعلین اُٹھا کر اپنے سر پر رکھی اور اسے بوسہ دیا۔ (مکتوبات امین الملت ص ۶۲)

راقم السطور کا اندازہ ہے کہ بارگاہِ نبویؐ میں حضرت شیخ کے قرب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد میر صاحب مرحوم کا آپ کے سامنے اس قدر عجز و نیاز اور اظہارِ عقیدت فطری بات تھی۔

امین الملت یہ واقعہ بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"یہ ہے حضرت میر جعفر خان جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی مقام ہوائے عشق حقیقی کے تنہائی میں اللہ کے اس برگزیدہ بندے (حضرت والا) کی طرف سے ایسا بلند مقام اور درجہ کیسے حاصل ہوتا؟"

کجا مانند آں رازے کہ زدہ سازند محفلہا

(مکتوبات امین الملت ص ۶۳)

اسلامی سوسائٹی کو درست کرنے کی کوششیں

آپ نظریات کے ساتھ ساتھ اخلاق و اعمال کی درستی پر بہت توجہ دیتے تھے غیبت، چغلخوری، گلہ گوئی، خوشامد، چاپلوسی، کینہ، بغض، حسد ایسی باطنی بیماریوں کی اصلاح کیلئے نہایت حکیمانہ طرزِ عمل اختیار کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا فلاں شخص ہر وقت

آپ کی برائی بیان کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہم نے اُسے معاف کر دیا ہے تم اپنی فکر کرو یا ایسا چھوڑ دو۔ ایک دفعہ ایک خیرخواہ مُرید بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ انگریز اور ہندوؤں کی دشمنی اور آپ کے خلاف سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے پریشانی کا اظہار کرنے لگا آپ نے فرمایا اللہ ہمارا نگہبان ہے اور وہی کافی ہے۔

مریدوں سے بطورِ خاص نماز کے بارے میں پوچھتے الصلوٰۃ عماد الدین نماز دین کا ستون ہے اس فرمانِ نبویؐ کو پوری طرح مدنظر رکھتے۔ عورتوں اور بچوں کو نماز سکھلانے اور پڑھانے کی تاکید فرماتے۔

رسمی قسم کے تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک اور منتر جنتر سے پرہیز کرنے کی تاکید فرماتے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی ماثورہ دُعائیں اور وظائف بتلاتے۔ بچوں کے سروں پر مخصوص قسم کی چوٹیاں رکھنا، انہیں گھنگرو چھلے وغیرہ ڈالنا ان کی درازیٔ عمر وغیرہ کیلئے مختلف مزارات کی منتیں ماننا ناجائز بتلاتے۔

سگریٹ، حقہ، نسوار، پان وغیرہ سے سختی سے روکتے۔ روایتی قسم کے میلے ٹھیلوں میں شرکت سے منع فرماتے۔ بالخصوص جہاں خلافِ شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہو یا زن و مرد کے مخلوط اجتماعات ہوں۔ سماع بالمزامیر کی تمام صورتوں کو صحیح نہ سمجھتے۔ آپ کے مریدین میں شادیوں پر بھی ڈھول، نقارے اور طبلے باجے موجود نہ ہوتے۔ بحمداللہ بھرچونڈی شریف کی جماعت میں آج تک اسلامی مزاج کی یہ خصوصیات بڑی حد تک موجود ہیں۔

آپ خود کریم النفس، کشادہ جبیں، نرم خو، فراخ حوصلہ اور نہایت بردبار طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کسی کو ناراض کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ دلوں کو راضی کرنا، مخلوق خدا کے کام آنا، مخلوق کو زیادہ سے زیادہ راحت پہنچانے کی کوشش کرنا، آپ کی زندگی کے اہم

نسب امین تھے۔ ایک دفعہ ایک تقریب میں کچھ لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے آپ نے باقی جماعت سے فرمایا" آپ لوگ قریب ہو جائیں تاکہ یہ لوگ بھی سائے میں آ جائیں۔ دھوپ میں وہ بیٹھے ہیں مگر جل میں رہا ہوں۔"

سادات کرام کا مثالی انداز میں احترام فرماتے۔ اپنے آپ کو اہلبیت کا ایک معمولی غلام سمجھتے۔ برس کی ایک تقریب میں راقم السطور جس کی عمر اس وقت دس بارہ سال سے زیادہ نہ تھی مجمع کے آخر میں ایستادہ لوگوں کے ہجوم میں کھڑا تھا اچانک آپ کی نگاہ پڑی تو میں نے دیکھا کا اشارہ پاتے ہی خلیفہ فتح محمد مرحوم صفوں کو چیرتا ہوا میری طرف لپک رہا ہے۔ مرحوم نے میرا بازو پکڑا اور حضرت کے سامنے جا کھڑا کیا۔ آپ نے انتہائی گرم گستری کرتے ہوئے اس ناچیز کم عمر لڑکے کو کھینچ کر اپنی مسند پر ساتھ بٹھا لیا۔ راقم آہستہ آہستہ پیچھے سرکتا۔ آپ تھوڑی دیر کے بعد پھر کھینچ لیتے۔

من درویش را کشتی بغمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی!

شادی اور مرگ پر فضول اور غیر شرعی رسومات سے شدت کے ساتھ منع فرماتے مرگ اور بیماری کی صورت میں جاہلانہ توہمات سے روکتے۔ آپ نے اپنے صاحبزادگان کی شادیاں انتہائی سادہ انداز میں سنتِ نبویؐ کے مطابق کیں یہاں تک کہ بعض دفعہ فقراء کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو پاتا تھا کہ آج کسی صاحبزادے کی شادی ہے مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے سنتِ نبوی کے مطابق نکاح ہوتا اور چھوہارے تقسیم ہوتے۔ یہ ہوتی آپ کے ہاں شادی کی تقریب۔

زبان مبارک کی تاثیر

ایک دفعہ آپ ریل میں سفر کر رہے تھے ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو ڈبے میں موجود ایک ہندو شخص نے نماز کی نیت باندھی سجدے کی جگہ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹھیکری نکال کر رکھی۔ جونہی وہ سجدے کیلئے جھکا آپ نے جلدی سے وہ ٹھیکری اٹھا لی۔ اس نے نماز توڑ کر خشمگیں لہجے میں پوچھا آپ نے یہ ٹھیکری کیوں اٹھائی ہے آپ نے فرمایا میں نے سوچا مبادا آپ کو یہ تکلیف دے، پیشانی میں چبھ جائے۔ اس نے کہا آپ کو علم ہے یہ کس مٹی سے بنائی گئی ہے آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کہا یہ کربلا کی خاک سے تیار کی گئی ہے اس لیئے ہم اسے انتہائی مقدس سمجھ کر سجدے کے وقت پیشانی کے نیچے رکھتے ہیں وہ مٹی ہے جس میں شہدائے کربلا کا خون ملا ہوا ہے۔ آپ نے نہایت نرمی اور ملائمت سے فرمایا ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ شہدائے کربلا کا خون ملائک آسمانی نے زمین پر گرنے ہی نہیں دیا تاکہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ اگر آپ کی بات مان لی جائے تو بھی شہدائے کربلا بہتر کی تعداد میں تھے جبکہ یزیدی لشکر کے مقتولین کی تعداد چار گنا زیادہ تھی۔ اب پتہ نہیں آپ نے جو مٹی اٹھائی ہے وہ شہدائے کربلا کی خون آلود مٹی ہے یا مقتولین یزیدی لشکر کی۔ یہ فرما کر آپ خاموش ہو گئے وہ تھوڑی دیر ٹھیکری ہاتھ میں لے کر غور و فکر اور حیرت و استعجاب کی کیفیت میں بیٹھا خلاؤں میں گھورتا رہا۔ پھر اچانک پوری قوت سے ٹھیکری گاڑی سے باہر پھینک دی۔

یار کی یاری

کراچی جیل میں نظر بندی کے دوران ایک ہندو سیٹھ کسی مقدمہ میں ماخوذ ہو کر

جیل میں آیا۔ یہ شخص کافی مالدار اور پڑھا لکھا انسان تھا۔ تھوڑے سے ہی دنوں میں [illegible]
کی خدمت میں آنے جانے لگا اور بے تکلف ہو گیا۔ بیشتر وقت آپ کی خدمت میں [illegible]
یہ شخص حضرت والا کو "دوست" اور "یار" کے نام سے پکارتا۔ خلیفہ فتح محمد مرحوم [illegible]
تھا کہ ایک دفعہ حضرت والا آرام فرما رہے تھے میں آپ کیلئے کھانا تیار کر رہا تھا (نظر بندی
کے زمانے میں آپ کو ذاتی خدمت گار ساتھ رکھنے اور اپنا کھانا پکانے کھانے کی اجازت
تھی خلیفہ فتح محمد بطور خدمت گذار اکثر وقت ساتھ رہا) کہ ہندو سیٹھ آگیا پوچھنے لگا کہ
یار کہاں ہے؟ میں نے اُسے بتایا کہ آپ آرام فرما رہے ہیں۔ وہ اپنی بیرک میں چلا گیا۔ کھانا
تیار کر کے میں نے آپ کو نیند سے بیدار کیا۔ اور ہندو سیٹھ کے آنے کا تذکرہ کیا اور
کے الفاظ دہرائے کہ ہمارا یار کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا اُسے جلدی سے بُلا کر لاؤ میں
گیا اور اُسے ساتھ لے آیا۔ آپ نے فرمایا سیٹھ! تم مجھے اپنا یار سمجھتے ہو نا؟ اس [illegible]
یقیناً! آپ نے فرمایا تو میں تمہیں کہتا ہوں کہ کلمہ پڑھ لو۔ اُس نے بغیر کسی حیل و حجت کے
کلمۂ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا اگر فی الحال اسلام کے اعلان کو تم مصلحت یا حالات
کے خلاف سمجھو تو ہندوؤں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے رہو۔ تمہارے کلمے کا میں گواہ ہوں۔

راقم السطور کا احساس ہے کہ اس طرح کے جو سینکڑوں ہزاروں واقعات [illegible]
ہوئے وہ سراسر آپ کی نگاہ کی تاثیر، پیغمبرانہ صورت و سیرت کا اعجاز اور دلوں پر [illegible]
کا کرشمہ تھے۔ اس دور میں جتنے غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اس کی
مثال تاریخ میں صرف چند مقامات پر ملتی ہے۔ اگر آپ کی پوری ستر سالہ زندگی کو تبلیغی زندگی
تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے ایک فاضل دوست کے مطابق ہر روز بیس سے زیادہ آدمی [illegible]
کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے نظر آتے ہیں۔ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فقر چوں عریاں شود زیر سپہر

کراچی جیل میں نظر بندی کے زمانے میں نماز با جماعت، حلقۂ ذکر، شب بیداری
کا سلسلہ شروع ہوئے تو پوری جیل میں ہلچل مچ گئی۔ اب جیل بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد کی
بجائے اللہ والے نمازیوں، متشرع صورتوں اور حلقۂ ذکر قائم کرنے والوں اور درویشوں کا
[illegible] تھا۔ نصف سے زیادہ قیدی اور چند لوگوں کو چھوڑ کر جیل کا سارا عملہ بیعت سے
سرفراز ہوا۔ اب جیل تبلیغ دین، اقامت صلوٰۃ اور حلقۂ ذکر کا سرچشمہ تھی۔ جیل کے اندر
لوگ دھڑا دھڑ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ایک دن مسٹر کوپر جو ایک انتہائی
[illegible] بد مزاج، ظالم انگریز سپرنٹنڈنٹ جیل) راؤنڈ پر آیا تو آپ سے خشونت آمیز لہجے
میں کہنے لگا آپ کو جیل کے اندر مسلمان کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ آپ یہاں اس کام
کیلئے نہیں آئے۔ آپ نے فرمایا دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے کیلئے ایک لمحہ کی تاخیر
بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ اگر تم دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہو تو اسی وقت تمہیں
بھی کلمہ پڑھا دیا جائے گا۔ وہ چلا گیا۔ خلیفہ فتح محمد کا بیان ہے کہ "غصے اور جلال کی وجہ
سے آپ کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا اور سر مبارک کے بال کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا
[illegible] یہ کون ہوتا ہے ہمیں تبلیغ دین سے منع کرنے والا؟ اس نے ہمیں لاوارث سمجھ رکھا ہے
[illegible] لیا جائے گا۔ آپ یہ فرما کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ جیل کی دوسری بیرکوں
سے شور و غوغا اُٹھا۔ میں معلومات کی خاطر وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ راؤنڈ کے دوران مسٹر کوپر
[illegible] سے سختی کے ساتھ پیش آیا۔ قیدی جو پہلے ہی اس کے رویے سے نالاں تھے اس پر
[illegible] پڑے۔ اتنا مارا کہ کوپر کی دونوں ٹانگیں اور ایک بازو ٹوٹ گیا اور بے ہوش ہو گیا

پر گر گیا۔ میں جلدی میں واپس آیا۔ آپ آرام فرما رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے پاؤں دبائے آپ نے پوچھا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کوبرا کو آپ نے مروا ڈالا ہے اور کیا ہے؟ میں نے واقعہ بیان کیا تو آپ نے دائیں ہاتھ کی سبابہ انگلی سے تیسرے حقے کی طرف اشارہ کرتے فرمایا۔ ہم نے صرف اتنی آیت پڑھی تھی۔ یہ اسی کا کرشمہ ہے۔ اس نے ہمیں لاوارث سمجھ رکھا تھا۔

اولیا راہست قدرت ازالہ

جیل میں نظربندی کے دوران خلیفہ فتح محمد نے ایک دن عرض کیا حضور! تمام جماعت اور بچے اداس ہیں۔ آپ جیل سے باہر نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ یہاں مستقل ڈیرے ڈال لیے ہیں اب جیل سے باہر نکلیں۔ شب و روز ساتھ رہنے والے یہ درویش بخوبی جانتے تھے کہ اللہ کا یہ صابر و شاکر بندہ اُس کی رضا پر راضی ہے ورنہ انگریزی استعمار کے غلام حکمرانوں کی کیا مجال کہ اس شہباز کو قید کر سکیں۔ چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد کے مطابق یہ مزاج شناس خادم بعض اوقات چھیڑ خوانی کر کے فقیر ولایت کی نیرنگیوں کا تماشہ دیکھا کرتے تھے۔

آپ نے خلیفہ فتح محمد سے فرمایا غالباً تم جیل کی پابندیوں سے تنگ آگئے ہو رات کو "حسبنا اللہ الحسیب" کی ایک تسبیح پڑھ کر سو جانا۔ خلیفہ کا بیان ہے کہ میں رات کو تسبیح پڑھ کر سو گیا۔ صبح ہوئی تو جیل کے دفتر سے میرے نام کی پکار ہونے لگی۔ میں دفتر پہنچا تو حکم ملا کہ تمہاری بجائے حافظ صاحب نے فقیر خدمت گزاری کا فریضہ انجام دے تم چھٹی کرو۔ خدمت گذار تبدیل کر دیا گیا ہے۔ خلیفہ فتح محمد نے رو کر عرض کی میرا مطلب یہ نہ تھا کہ مجھے خدمت کی سعادت سے محروم کر دیا جائے۔ آپ نے خلیفہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تم جاؤ ہم بھی تمہارے پیچھے آتے

فکر نہ کرو۔ خلیفہ فتح محمد واپس مہر چونڈی شریف آگیا۔ دوسرے روز حضرت والا بھی آزاد کر دیئے گئے۔ واپسی پر آپ ڈہرکی ریلوے اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اُترے تو جماعت کی ایک بڑی تعداد استقبال اور زیارت کیلئے موجود تھی۔ خلیفہ فتح محمد قدم بوس ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ہم نے اپنا وعدہ نبھایا یا نہیں؟

مہر مبارک کا نقش

سید العارفین جنید زمانہ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی مہر پہ یہ الفاظ نقش تھے۔

"خاکِ راہِ دردمندانِ طریق فقیر محمد صدیق"

جانشین سید العارفین شیخ ثانی ہادی گمراہاں حضرت حافظ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مہر کا نقش یہ تھا۔

عاکف باب اللہ

فقیر عبدُ اللہ

مجاہد اسلام حضرت شیخ ثالث پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی مہر کا نقش اس طرح تھا۔

عاکف باب اللہ المستعان

فقیر عبد الرحمٰن

عِلم جویائے راہ عشق دانائے راہ

ایک دفعہ غرورِ علم میں سرشار ایک مولوی صاحب آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں اذان ہوئی آپ نے اور تمام جماعت نے شہادتِ ثانیہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر انگوٹھے چومے۔ مولوی صاحب نشۂ علم میں مست بیٹھے رہے اور انگوٹھے چومنے سے احتراز کیا۔ اذان کے بعد آپ نے فرمایا مولوی صاحب! آپ کا والد ہماری جماعت کا فرد تھا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس پر انگوٹھے کو چوما کرتا تھا۔ آپ نے اِس عمل کو جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی سنّت ہے کیوں ترک کیا ہے۔ حالانکہ فرمانِ نبوی ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفآ الراشدین، مولوی صاحب نے کہا یہ عمل عقلاً نقلاً غلط ہے۔ آپ نے فرمایا عقلاً کیسے باطل ہے تعبدی امور اور کون سے عقل کے مطابق ہیں۔ نماز میں قہقہہ لگانا نماز اور وضو دونوں کیلئے مفسد ہے مگر گالیاں دینا جو قہقہہ سے زیادہ گناہ ہے مفسد صلواۃ ہے۔ مفسدِ وضو نہیں فرمایئے کیوں۔

مسواک بقدر ایک شبر مسنون ہے اگر شبر سے کم ہو تو کیا وہ منہ صاف ہو سکتا؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے کیا پتے کی بات فرمائی ہے لو کان الدین بالرأی لکان اسفل الخفین اولی بالمسح۔ یعنی اگر دین کا دارومدار عقل پر ہوتا تو موزوں کا نچلا حصّہ مسح کے زیادہ مناسب تھا، حالانکہ شریعت نے اوپر والے حصّے پر مسح کا حکم دیا ہے"۔

باقی رہا نقلاً تو وہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے اور ضعیف حدیث فضائل اعمال میں محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ مولوی صاحب نے بغلیں جھانکنا شروع کیں اور پھر کچھ نہ بولے۔

اِس کے بعد آپ نے فرمایا، نسبتِ نبوی کا فقدان ہے ورنہ عشق و محبت کے مسائل کتابوں سے نہیں پوچھے جاتے۔ استفت قلبک ولو افتاکَ المفتون

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

طویل جلاوطنی سے واپسی کے بعد مولانا عبیداللہ سندھی کی متعدد بار بھرچونڈی شریف حاضری اور آپ سے اظہارِ عقیدت و نیازمندی

اِس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر سے انگریزی استعمار کے خاتمے کا اوّلین سہرا ۱۸۵۷ء کے اُن مجاہدین کے سر ہے جنہوں نے کالے پانی کی صعوبتوں اور پھانسی کے پھندوں کو چوم کر ایک ایسی انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی جس نے سو سال کی قربانیوں

کے بعد بالآخر انگریز کو اس دھرتی سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک واقعہ ہے ادھر انگریز نے برصغیر کی دھرتی پر اپنے قدم رکھے ادھر اس زمین کا احساس بیدار ہو کر سے چیخ اُٹھا۔ شاید یہ اسی سرزمین کا جوش اور اُبال تھا کہ اس نے اپنے علاوہ دوسرے سے انگریزی مقبوضات کے اقتدار کا سورج غروب کر کے دم لیا۔

موجودہ بیسویں صدی کے آغاز میں انگریز کے خلاف تحریک کی جو نشاۃ ثانیہ ہوئی یا اس کا آخری راؤنڈ شروع ہوا اس کے بارے میں اگر پوچھا جائے کہ اس کا سہرا کس کے حصے میں آئی تو غالباً اکثریت کے جواب میں ایک ہی نام آئے گا اور وہ نام ہے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا۔

مولانا عبیداللہ سندھی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کئی یونیورسٹیوں میں تحقیقی کام ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مولانا کو دنیا ایک بلند پایہ عالم دین، مفکر، فلسفی، مجاہد، مہاجر فی سبیل اللہ اور امام انقلاب کی حیثیت سے اچھی طرح جانتی ہے لیکن اپنے آپ کو خانقاہِ عالیہ بھرچونڈی شریف کا ایک معمولی درویش قرار دینے والے اپنی ساری کد و کاوش کو صرف حافظ الملت کی نگاہِ کرم کا نتیجہ سمجھنے والے، آخر دم تک تصورِ شیخ (شغل برزخ) کا وظیفہ اختیار کرنے والے پنجابی نژاد ہو کر اپنے سندھی مرشد کی ذات میں فنا ہو کر خود سندھی کہلانے والے زندگی کے آخری لمحوں تک مرشد کی خانقاہ میں پھیرے لگانے والے اور تصوف کے تمام ، اوراد و اشغال اور لطائف کے عامل عبیداللہ سندھی کو دنیا شاید ہی جانتی ہو۔

مولانا عبیداللہ سندھی ایک شخص کا نام نہیں مولانا عبیداللہ ایک فکر، ایک تحریک، ایک تاریخ اور ایک عہد کا نام ہے۔ مولانا عبیداللہ تجلی، حرارت، تپش، سوز دروں

اور اسلام کے جذبہ جہاد کا نام ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی پر مفصل مضمون ہماری کتاب "سید العارفین حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی علیہ الرحمۃ" میں آرہا ہے۔ تاہم خانقاہ بھرچونڈی شریف کے شیخ ثانی علیہ الرحمۃ پر لکھی جانے والی کتاب مولانا کے ذکر کے بغیر نامکمل ہو گی بالخصوص جبکہ مولانا عمر بھر اپنے آپ کو بھرچونڈی شریف کا ایک معمولی درویش قرار دیتے رہے اور ۱۹۳۹ء کے اوائل میں طویل جلاوطنی سے واپسی کے بعد اپنے انتقال ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء تک متعدد بار بھرچونڈی شریف حاضر ہو کر شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمن علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس دوران مولانا سندھی اپنے مرشد سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے تمام اعراس میں التزام کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔ آپ نے ہمیشہ درگاہِ عالیہ میں انتہائی ادب واحترام اور عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے سوانحی خاکے پر سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔

پیدائش	۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء مطابق ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ
سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ بھرچونڈوی کی خدمت میں حاضری آپ کے دستِ حق پرست پر قبولِ اسلام اور بیعت	۱۸۸۷ء مطابق ۱۳۰۵ھ
تعلیم کے لیے دیوبند روانگی	اکتوبر ۱۸۸۸ء
سید العارفین کا وصال	جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ
مولانا کی دیوبند سے بھرچونڈی شریف واپسی	۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء

جمیعۃ الانصار کی تاسیس	۱۹۰۹ء
نظارۃ المعارف دہلی کی بنیاد	۱۹۱۲ء
ہجرت کابل	اگست ۱۹۱۵ء
کابل میں آمد	اکتوبر ۱۹۱۵ء
روس کو روانگی	۲۲، اکتوبر ۱۹۲۲ء
ماسکو میں قیام	۱۰، نومبر ۱۹۲۲ء تا ۲۳، جولائی ۱۹۲۳ء
ترکی میں آمد	جولائی ۱۹۲۳ء
استنبول میں قیام	اواخر ۱۹۲۳ء تا جون ۱۹۲۶ء
مکہ معظمہ میں آمد	۱۳۴۵ھ اگست ۱۹۲۶ء
وصال شیخ ثانی بھرچونڈی شریف	۱۳۴۶ھ
ہندوستان واپسی	مارچ ۱۹۳۹ء
بھرچونڈی شریف حاضری	مارچ ۱۹۳۹ء
بھرچونڈی شریف آخری حاضری	۱۹۴۴ء
کابل ہجرت کے وقت عمر	۴۳ سال
واپسی کے وقت عمر	۶۷ سال
ہجرت کا زمانہ	۲۴ سال
وصال	۲۲، اگست ۱۹۴۴ء

مولانا سندھی کون تھے ؟

مولانا سندھی پنجابی نژاد تھے آپ ۱۵، مارچ ۱۸۷۲ء مطابق محرم ۱۲۸۹ھ

[illegible]الکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی میں ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے حافظ الملت [illegible]الامت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ بھرچونڈی شریف (سندھ) کی ذات [illegible] سے نسبت قائم ہوئی تو مولانا پنجابی سے سندھی ہو گئے ۔

سچ کہا ہے کسی نے ؏

رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

مولانا سندھی لکھتے ہیں ۔

"میں سولہ برس کا تھا اور اردو میں میٹرک کے درجہ تک تعلیم پا چکا تھا کہ میں مسلمان ہوا۔ مجھے کلمۂ توحید حضرت حافظ محمد صدیق قدس سرہٗ بھرچونڈی والوں نے پڑھایا۔ میں اپنے آپ کو حضرت صاحب کی جماعت کا ایک فقیر سمجھتا ہوں"۔ [1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہو گئی اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حافظ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمۃ بھرچونڈی شریف والے کی خدمت میں پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جُنید اور سید العارفین تھے ۔ چند ماہ اُن کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیئے طبیعت ثانیہ بن گئی ہے جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے میں نے قادری راشدی طریقہ میں ان سے بیعت کر لی تھی ۔ [2]

۹۶

[1] خطبات مولانا سندھی مرتبہ پروفیسر محمد سرور ص ۲۶ ا سندھ ساگر اکیڈمی [2] کابل میں سات سال از مولانا عبیداللہ سندھی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

"میں سیدالعارفین کی صحبت کی لذت اور آپ کے کلام کے مٹھاس کو بھلا نہیں سکتا۔ آپ مجھ پر والد کی طرح مہربان تھے۔"[1]

مولانا سندھی نے ماہ صفر ۱۳۰۵ھ میں سیدالعارفین کے ہاتھ پر بیعت کی۔

چوبیس سالہ جلاوطنی کے بعد
مولانا سندھی کی وطن واپسی اور حضورِ مرشد میں حاضری

مولانا سندھی نے مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی۔ اسی وقت سے آپ کی وطن واپسی کے لیئے کوششیں شروع ہوگئیں۔ انگریز حکومت میں بھی وہ اگلا دم خم باقی نہیں رہا تھا چنانچہ انگریز آہستہ آہستہ اپنا بوریا بستر لپیٹنے کی فکر میں تھا مجاہدین آزادی کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کی منزل آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی مولانا سندھی کی واپسی کیلئے حاجی سر عبداللہ ہارون، شیخ عبدالمجید سندھی اور مولانا غلام رسول مہر (ایڈیٹر انقلاب) سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ حاجی عبداللہ ہارون نے مولانا کی واپسی کے لیئے سندھ اسمبلی میں بار بار سوال اُٹھائے۔ "انقلاب" اور "الوحید" نے اس موضوع پر کئی مضامین لکھے۔ حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً جواب بھی دیئے جاتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں نئی اصلاحات کے تحت اسمبلیاں وجود میں آئیں اور ۱۹۳۸ء میں سندھ میں خان بہادر اللہ بخش سومرو کی حکومت قائم ہوئی۔ انہی دنوں ڈاکٹر چوئتھ رام گڈوانی (CHOITH RAM) صدر کانگریس کمیٹی سندھ نے ایک طرف مولانا اور دوسری گورنمنٹ انڈیا سے خط و کتابت

[1] التمہید بحوالہ ماہنامہ "الرحیم" سندھی اگست ۱۹۷۱ء: ۲۷-۲۸

کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران مولانا کا ایک مفصل خط ڈاکٹر چوئتھ رام کے نام کا جو اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ خط کی نوعیت اور ہمہ گیری کے پیش نظر حکومت کو مجبوراً مولانا کو وطن واپس آنے کی اجازت دینا پڑی۔

سیدالعارفین کے دامنِ تربیت سے انگریز دشمنی کا درس لینے والا اس کا یہ حلقہ بگوش اور مجاہد ۲۴ سالہ جلاوطنی کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں کراچی کی بندرگاہ پہ اُترا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ہزاروں دوسرے لوگوں کے ساتھ سندھ کے وزیر اعلیٰ خان بہادر اللہ بخش سومرو بھی پھولوں کے ہار لے کر وہاں موجود تھے۔ کراچی میں آپ نے مولانا محمد صادق کھڈہ والوں کے ہاں قیام کیا۔ چند روز بعد مولانا کراچی سے بھرچونڈی شریف حاضر ہوئے۔ یعنی آپ اپنے اصلی وطن (جسے آپ اسلام کی خاطر اپنا وطن قرار دے چکے تھے) پہنچے۔ حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ کا بیان ہے۔ (واضح رہے کہ آپ اس وقت بھرچونڈی شریف میں موجود تھے آپ کی روایت چشم دید ہے۔)

"مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطنی کے بعد بھرچونڈی شریف حاضر ہوئے تو کافی دیر اپنے مرشد کے روضۂ عالیہ میں مؤدب ہوکر مراقبہ کی صورت میں بیٹھے رہے باہر نکلے تو پختہ حوض کے قریب واقع برآمدہ میں کوئی چیز بچھائے بغیر اینٹوں کے پختہ فرش پر بیٹھ گئے۔ مولانا سندھی کی آمد سن کر ہندوستان کے کونے کونے سے آئے ہوئے علمائے کرام بھرچونڈی شریف میں پہلے سے موجود تھے۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا کی اطلاع ملی تو حسب معمول مشائخ آپ مولانا سے ملنے کے لیئے تشریف لائے حضرت والا حوض کے سامنے والی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ مولانا سندھی کی آپ پر نگاہ پڑی۔ ابھی آپ نے سیڑھیاں طے نہ کی تھیں کہ مولانا سندھی بجلی کی سرعت سے لپک کر

وہاں جا پہنچے۔ دونوں ہاتھ حضرت کے پاؤں پر رکھے۔ آپ نے ہر چند ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر مولانا نے دونوں ہاتھوں سے پاؤں مبارک چھو لیے۔ اور پھر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ آپ نے حضرت مولانا کو گلے لگایا، بغلگیر ہوئے تو مولانا سندھی ہچکیاں لے کر رونے لگے۔ مولانا کی طبیعت بحال ہوئی تو آپ نے مختصر خیر خیریت پوچھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ تشریف لے گئے تو مولانا سندھی نے مجھے بلا کر فرمایا کہ حضرت والا سے میری طرف سے عرض کرو کہ میرے لیئے کھانے اور رہائش وغیرہ کا معمولی اہتمام بھی نہ کیا جائے۔ میں بھرچونڈی شریف کی جماعت کا ایک ادنیٰ درویش ہوں۔ میرے کھانے کیلیئے لنگر کا دال دلیہ اور رہائش کیلیئے مسجد کا فرش مائدہ آسمانی اور تختِ خسروی سے کم نہیں۔ کسی قسم کا اہتمام میری طبیعت پر بوجھ ہوگا۔ عشاء کی نماز کے بعد دوسری مجلس ہوئی۔ اس میں مولانا سندھی اور حضرت والا کے علاوہ چار پانچ چیدہ چیدہ فقرا اور یہ راقم بھی شامل تھا۔ مولانا سندھی طویل جلاوطنی کے اہم واقعات، تجربات اور بیرونی دنیا کے مشاہدات بیان کرتے رہے۔ دورانِ گفتگو آپ نے فرمایا "حضرت! میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ انسانوں کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ لوگوں کو میں نے غلافِ کعبہ میں ملبوس بھی دیکھا ہے اور عریاں بھی۔ میں ہر قسم کے لوگوں سے ملا ہوں۔ مگر آپ کے جدِ امجد (سید العارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ) ایسا دیدہ ور، صاحبِ نظر اور کامل انسان میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ آپ کا وجودِ مسعود اس دھرتی پر مجسّمِ اسلام تھا۔ آپ کی ایک ہی نگاہ سے انگریزی استعمار کے خلاف نفرت اور اس سے ٹکرا جانے کی قوت پیدا ہو جاتی تھی۔

افغانستان سے روس کا بیشتر سفر ہم نے پیدل یا گھوڑوں اور خچروں کے ذریعے کیا۔ دورانِ سفر سخت دشوار گزار پہاڑی علاقے میں ایک دفعہ جانور بھی چلنے سے جواب دے

گئے۔ خوراک کا ذخیرہ بھی ختم ہو چلا۔ انسانی آبادی کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ ساتھی بھی بچھڑ گئے اندیشہ ہوا کہ شاید ہم راستہ بھی گم کر بیٹھے ہیں۔ اسی غم واندوہ اور پریشانی کی حالت میں رات کے وقت بیٹھے بیٹھے مجھے اونگھ آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے مرشد سید العارفین تشریف لائے آپ نے مجھے تھپکی دیتے ہوئے فرمایا کہ جوان بھی ہمت ہارتے ہیں؟ میری آنکھ کھلی تو طبیعت پُرسکون اور عزم و ولولہ جوان تھا۔"

اس مجلس میں مولانا سندھی نے مزید فرمایا۔

"حضرت جب میں حضرت سید العارفین کی خدمت میں بیعت کے لیئے دوزانو ہوا تو آپ نے حضرت سچل سرمست فاروقیؒ کی کافی کا یہ مصرعہ پڑھا۔

"چھوڑ گمان گدائی والا، سنبھل چا پدھ شاہی دا

اسی فرمان کی برکت تھی کہ میں افغانستان میں رہا روس گیا۔ ترکی میں کام کرتا رہا حجازِ مقدس میں کئی سال گزارے۔ مگر کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوا۔"

اس ملاقات میں حسبِ دستورِ خانقاہی مولانا سندھی نے مبلغ اکیس روپے بطور نذر آپ کے سامنے پیش کیئے۔ دوسرے روز رخصت کے وقت حضرت سندھی نے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ ذاتی سواری عنایت فرمائی۔ اور خلیفہ فتح محمد اور خلیفہ دائم فقیر کو حکم فرمایا کہ مولانا سندھی کو ڈھرکی ریلوے اسٹیشن سے گاڑی پہ سوار کرائیں آپ نے مولانا کو زادِ راہ اور کپڑوں کے دو قیمتی جوڑے بھی عنایت فرمائے[1]۔

---

[1] قلمی یادداشت حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ۔

مولانا سندھی کی جامعیت

سندھ کے معروف صحافی اور قومی کارکن مولانا دین محمد ونائی[1] نے مولانا سندھی کے انتقال کے صرف دو ماہ بعد اپنے ماہنامہ "توحید" میں حضرت مولانا امام سندھی کے آخری چار ماہ کے عنوان سے چشم دید واقعات پر مشتمل جو مضمون لکھا ہے اس نے حضرت سندھی کی اُن حیثیتوں سے پردہ اُٹھایا ہے جن سے صرف بھرچونڈی شریف کے فقراء اور طریقت بھائی حلقے آگاہ تھے مگر عام لوگ ان سے بے خبر تھے۔

مولانا سندھی کو اپنے مخصوص افکار و نظریات کی عینک سے دیکھنے والے لوگوں کو ان اقتباسات سے ضرور تعجب ہوگا مگر ہمیں اس لیئے حیرت نہیں ہے کہ ہم مولانا سندھی کی اس جامعیت سے اچھی طرح واقف ہیں مولانا سندھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سچے پیروکار اور ان کے نظریات کے علمبردار ہیں شاہ صاحب کو اچھی طرح پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ جامعیت خود شاہ صاحب میں کتنے بہتر طریقے پر موجود ہے شاہ صاحب کی "القول الجمیل" "در الثمین" "انفاس العارفین" "الطاف القدس" "الانتباہ فی سلاسل

---

[1] مولانا دین محمد ونائی ۱۸۹۴ء میں گڑھی یسین (شکارپور سندھ) میں پیدا ہوئے آپ نے تحریک خلافت سے اپنی قومی و ملی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۰ء میں "الوحید" جاری ہوا تو آپ اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے ۱۹۲۳ء میں ماہانہ "توحید" جاری کیا جو کچھ عرصہ بعد بند ہوگیا۔ ۱۹۲۰ء میں سید پیر حزب اللہ شاہ راشدی کی سرپرستی میں جاری ہونے والے "الحزب" کے مدیر مقرر ہوئے مگر یہ پرچہ چل نہ سکا۔ ۱۹۳۰ء سے "الوحید" میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۱۹۳۴ء میں "توحید" دوبارہ جاری کیا جو مسلسل چلتا رہا۔ آپ نے مولانا عبیداللہ سندھی کی وطن واپسی کیلئے سرگرمانہ کوششیں کیں۔ خان بہادر اللہ بخش سومرو سے آپکے دوستانہ تعلقات تھے مولانا کی واپسی کے لیئے خان بہادر اللہ بخش نے جو جدوجہد کی اس کے پیچھے مولانا ونائی کا ہاتھ تھا۔ آپ نے بیسیوں سے زیادہ علمی تحقیقی کتابیں لکھیں۔ آپ کا تعلق اہل حدیث مکتب فکر سے تھا مولانا سندھی کے عاشق تھے وطن واپسی کے بعد مولانا نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے پیغام کی نشر و اشاعت شروع کی تو مولانا ونائی ہر مرحلے پر آپکے ساتھ شامل رہے۔ مولانا ونائی ۱۹۵۰ء میں فوت ہوئے علی نواز ونائی آپکے علمی و سیاسی جانشین بنے۔

اولیاء اللہ اگر اچھی طرح پڑھ لی جائیں تو پھر مولانا سندھی کے تصور شیخ یا لطائف صوفیاء پر عمل پیرا ہونے پہ ذرہ بھر تعجب نہیں ہوتا۔

مولانا ونائی ماہنامہ توحید (سندھی) اکتوبر ۱۹۴۴ء میں رقمطراز ہیں۔

اشتغال صوفیاء پر مولانا سندھی کی مداومت

گذشتہ برس ایک دفعہ میں (ونائی) نے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ تصوف کے لطائف پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کیا؟ مولانا نے فرمایا ایک انقلابی آدمی کیلئے بہت ضروری ہے اس لیئے کہ ان کے ذریعے قوت برداشت میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔ آپ کا مطلب تھا کہ انقلاب کے راستے میں بے شمار تکلیفیں پیش آتی ہیں۔ اگر تکلیفیں سہنے کی قوت نہ ہوگی تو انسان گھبرا کر حوصلہ ہار بیٹھے گا اس لیئے مرشد طریقت یا صحبت یا اسباق (طریقت) میں جو چیز سب سے زیادہ حاصل کی جائے وہ قوت ارادی اور رضا و تسلیم ہے جہاں پہنچنے کے بعد اُف بھی نہیں کرنی۔

پھر آپ نے فرمایا۔ میں نے سلوک کے سارے راستے طے کیئے ہیں۔ میں نے یہ راستے آخر تک طے کر کے چھوڑے میرے مُرشد (سید العارفین) کا خیال تھا کہ اشتغال طریقت کے مکمل ہونے پر مجھے خرقۂ خلافت عطا کیا جائے۔ ادھر مجھے دنیا میں دوسرے کام کرنے کا حکم تھا۔ مولانا سندھی کے آخری چار ماہ ماہنامہ توحید اکتوبر ۱۹۴۴ء مولانا ونائی[2]

سید العارفین کے عرس میں شرکت کیلئے مولانا کی بے چینی

مولانا ونائی لکھتے ہیں۔ خیال ہے اس سفر میں مولانا ونائی حضرت سندھی کے ساتھ

تھے۔ وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔

" جون ۱۹۴۴ء کی ابتدائی تاریخوں میں سکھر سے ایک رات کیلئے آپ ٹنکار پور پہنچے۔ وہاں خان بہادر حاجی مولا بخش خان کو آپ نے ملاقات کیلئے ۱۵ منٹ دیئے۔ بیماری کی تکلیف برابر جاری تھی۔ لیکن جس وقت کہیں جانے کا ارادہ فرماتے یہ تکلیف بالکل نظر نہیں آتی تھی۔ ٹنکار پور میں ۹ جمادی الثانی جمعرات کے دن آپ نے مجھے فرمایا کہ یہاں سے سیدھا بھرچونڈی شریف چلنا ہے سخت گرمی اور حبس کی کیفیت تھی بتایا گیا کہ سکھر جانے والی بس بھی چلی گئی ہوگی۔ ریل دوسرے روز صبح کے وقت سکھر پہنچتی۔ آپ نے فرمایا جمعہ ۱۰ جمادی الثانی ہمارے مرشد سائیں (حضرت سید العارفین) کا عرس ہے اس میں ضروری شامل ہونا ہے اگر ہم چھ بجے شام روہڑی سے ریل میں سوار ہوں تبھی رات کے وقت بھرچونڈی شریف پہنچا جاسکتا ہے میں باہر نکلا تاکہ ٹنکار پور سے سکھر تک کیلئے گھوڑا گاڑی (تانگہ) کرایہ پر حاصل کروں۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر بتایا کہ ابھی تک سکھر جانے والی بس روانہ نہیں ہوئی۔ چنانچہ ۲ بجے بس میں سوار ہوکر ۴ بجے ہم سکھر پہنچے وہاں سے تانگہ میں بیٹھ کر روہڑی ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ سخت گرمی اور سفر کی کوفت سے مولانا کو کافی تکلیف پہنچی مگر آپ نے اس بارے میں کسی قسم کا اظہار نہ فرمایا۔

روہڑی ریلوے اسٹیشن پر محترم میر ہزار خان انسپکٹر ریلوے پولیس موجود تھے وہ مولانا کے عاشق تھے چنانچہ انہوں نے یہ سفر آرام دہ بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہم مغرب کے وقت ڈھرکی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔

کمزوری اور تکلیف کے وقت گاڑی پر سوار ہونے کیلئے آپ کسی کی مدد قبول نہیں فرماتے تھے اگر کوئی شخص آگے بڑھتا یا بازو پکڑنے کی کوشش کرتا تو اسے جھڑک کر

دور ہٹ جانے کیلئے فرماتے۔ جتنی دیر میں آپ گاڑی سے اُتر کر نیچے آئے میں نے بھاگ کر درگاہ جانے کیلئے تانگہ کرایہ پر لے لیا۔ ہم لوگ مغرب کے وقت درگاہ پہنچے۔

مولانا زمین پر بیٹھ گئے

آپ نے تانگے والے کو طے شدہ کرایہ ایک روپے کی بجائے تین روپے دیئے مجھے کرایہ دینے سے منع فرمایا۔ راستہ میں آپ آہستہ آہستہ مولود (نعتیہ کلام یا کافی وغیرہ) گنگناتے رہے جو میری سمجھ میں نہ آئے۔ درگاہ بھرچونڈی شریف پہنچنے کے بعد رہائش کے انتظام ہونے تک آپ زمین پر بیٹھ گئے اور وہیں نماز مغرب ادا کی۔

حضورِ مرشد میں

مرشد کی درگاہ میں آنے پر دیکھا گیا کہ آپ کے چہرے پر خاص قسم کی رونق آگئی اور فروتنی و نیازمندی درجۂ کمال کو پہنچ گئی۔ الغرض اس وقت ایک عجیب و غریب کیفیت آپ سے دیکھنے میں آئی۔

مولانا سندھی کا تصورِ شیخ

آپ نے بھرچونڈی شریف میں دو راتیں گزاریں۔ مگر اس دوران بیماری کی شدت میں اضافہ ہوگیا۔ حضرت پیر سائیں سجادہ نشین مدظلہٗ (مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ) دو مرتبہ مولانا سے ملاقات کی خاطر ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ میرے علاوہ مولوی عبدالمجید طالب علم بھی خدمت کیلئے پہنچ گیا۔ ایک دفعہ

مولانا نے اُسے فرمایا کہ مراقبہ کے دوران تم میرے سامنے نہ آیا کرو اس لئے کہ تصورِ شیخ کے بعد آنکھیں کھلتے وقت دل نہیں چاہتا کہ فوراً کسی بیگانہ شخص پر نگاہ پڑے۔

مولانا کا آخر عمر تک شغل برزخ پر عمل پیرا رہنا

صوفیائے کرام کے ہاں شغل برزخ ایک مقام ہے آخری دور میں حضرت مولانا کا زیادہ تر اس شغل میں استغراق رہتا تھا۔ ہمارے اہل حدیث (مولانا وفائی) حضرات میں سے بیشتر اس چیز کے قائل نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت سے انکار کرنے کی بھی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

ایک دفعہ آپ مسجد (بھرچونڈی شریف) میں تشریف لے گئے وہاں پر موجود جماعت کو بڑے غور سے دیکھا اور واپس آگئے مسجد سے متصل جنوبی طرف آپ کے مرشد کامل حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ کا مزار ایک گنبد میں واقع ہے وہاں آپ نہ گئے۔ اگرچہ اس بارے میں پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن جب شغل برزخ[2] جاری تھا تو مزار پر

---

[1] سید العارفین علیہ الرحمۃ بیعت کے وقت طالب راہ کو اپنی صورت مبارکہ کا تصور باندھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اسکے علاوہ صبح شام ذکر بالجہر کی چار دن تسبیحیں مکمل کرنے کے بعد مراقبے میں بھی طالب راہ کو صورت شیخ سامنے رکھنے کی ہدایت کی جاتی بحمد اللہ حضرت کا یہ طریقہ رضیہ من وعن آج تک چلا آرہا ہے حضرت سندھی کے علاوہ سید العارفین کی ساری جماعت اس پر کاربند رہی ہے اور ہے مولوی عبد المجید کو جس مراقبہ کی کیفیت میں سامنے آنے سے آپ نے روکا وہ ذکر بالجہر کے بعد والا مراقبہ ہے۔

[2] برزخ وہ چیز جو دو مختلف چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ اس طور پر کہ دونوں میں واصل و فاصل ہو اصطلاح صوفیا میں برزخ سے مراد شیخ کی تصور محسوسہ ہوتی ہے کیونکہ وہ فیضان قدس اور طالب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے اسی طرح عالم مثال کو بھی برزخ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اجسام کثیفہ اور ارواح مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطی ہے۔

جانے کی کیا ضرورت تھی۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی بنیادی طور پر صوفی تھے مگر آپ صوفیاء صافیہ کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو گوشہ گیری اور کنج عافیت میں خلوت گزینی کی بجائے تیز ہواؤں میں چراغ جلانے اور منجدھار میں کھڑے ہو کر دریا کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کی روایت کے امین رہے ہیں۔ آپ کے مرشد سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ اس طریقے کے امام تھے۔ مولانا وفائی نے جس دیانتداری اور سچائی کے ساتھ مولانا سندھی کی ہمہ جہت شخصیت کے ہر پہلو کو کھول کر بیان کیا ہے اس سے مولانا وفائی کی عظمت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اسی ضمن میں "افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی" کے یہ اقتباسات بھی دیکھ لئے جائیں۔

"سولہ برس کی عمر میں جب میں (مولانا سندھی) نے گھر چھوڑا تو مجھے والدہ، بہن اور ماموں کو چھوڑنے کا اتنا قلق نہ تھا جتنا کہ اپنے اُس دوست (اس کا ذکر پہلے آچکا ہے) کو چھوڑنے کا۔ اس دوست کی شکل ہر وقت میرے دماغ میں چھائی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ جب حضرت صاحب بھرچونڈی شریف نے مجھے کلمہ کی تلقین کی میں اُن کا مرید ہوا اور میں نے شیخ کا تصور دماغ میں جمایا تو اکثر اس دوست کا تصور دماغ میں آجاتا۔ مجھے اس سے بڑا خلجان ہوتا۔"[2]

---

[1] یہ ساری تفصیل مولانا وفائی کے اس مضمون سے پیش کی گئی ہے جو آپ نے "مولانا امام سندھی کے آخری چار ماہ" کے عنوان سے عینی شاہد کی حیثیت سے ماہنامہ توحید اکتوبر ۱۹۴۴ء میں تحریر فرمایا۔

[2] افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی: ۲۸۴ مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور

ایک اور مقام پر مولانا فرماتے ہیں۔

"ڈاکٹر محمد علی شاہ (سندھی) جب کراچی سے میرے پاس پڑھنے کیلئے گوٹھ پیر جھنڈا آئے تو آنے سے پہلے انہوں نے اپنی کتابوں کا ایک صندوق بھجوایا تھا۔ ان کتابوں میں سر سید کی تمام تصانیف بھی تھیں میں نے سر سید کی تمام تصانیف پڑھیں۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھے سر سید دکھائی دیئے اور وہ مجھے اپنے پیرو مرشد حضرت صاحب بھرچونڈی کی شبیہہ میں نظر آئے اس دن سے مجھے سر سید کے بارے میں کوئی ذہنی خلش نہ رہی اور ان سے یک گونہ مجھے انس ہو گیا۔[1]"

اب ہم دوبارہ مولانا دفائی کی دلفریب داستان کی طرف آتے ہیں۔ مولانا دفائی کا بیان ہے کہ۔

بھرچونڈی شریف کی مسجد کی خصوصیت

ایک دفعہ مولانا (سندھی) نے فرمایا کہ "بھرچونڈی شریف کی مسجد کی تعمیر کے وقت ایک التزام کیا گیا اور وہ یہ کہ تمام لوگ جنہوں نے مسجد کیلئے اینٹیں تھوپیں، انہیں پکایا مسجد کی عمارت تیار کی۔ انہوں نے باوضو ہو کر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ سارا کام کیا۔" میں (دفائی) نے عرض کیا غالباً یہی وجہ ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ایک خاص لطف اور مزا آرہا ہے۔"

بھرچونڈی شریف سے واپسی

ہفتہ ۱۱ جمادی الثانی دوپہر ڈھلے ہم بھرچونڈی شریف سے روانہ ہوئے

---

[1] افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی : ۳۸۷ مرتبہ پروفیسر محمد سرور

حضرت سجادہ نشین صاحب (مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) نے سواری کے لیئے بگھی عطا فرمائی۔ ڈہرکی ریلوے اسٹیشن کے قریب پیر صاحب کا بنگلا اور مسجد ہے ریل آنے میں دیر تھی اس لیئے ہم نے وہاں انتظار کی۔

مرشد کے فراق میں مولانا سندھی کی گریہ وزاری

آپ (مولانا سندھی) نے فرمایا کہ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ[1] کو رات کے وقت ڈہرکی ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اسٹیشن پر ایک آدمی نے کہا کہ "جنگل میں چراغ جل رہا تھا افسوس کہ بجھ گیا۔" یعنی حضرت قطب العارفین (حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ) وصال فرما گئے۔ پھر فرمایا سخت سردیوں کی یہ سرد رات میں نے ایک پورٹر (ریلوے اہلکار) کی کوٹھڑی میں روتے گزاری۔ صبح ہوئی تو درگاہ پہنچا۔ مسجد سے ذرا فاصلے پر واقع اُس درخت کے نیچے کھڑا ہو کر رونے لگا۔ جس کے سائے میں حضور مرشد نے آکر مجھے طلب علم کے لیئے رخصت فرمایا تھا۔ میری یہ حالت بے اختیاری تھی۔ دو راتیں اور دو دن میرا یہ رونا بند نہ ہوا۔ حضرت خلیفہ صاحب دین پوری (مولانا غلام محمد صاحب) رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے آپ سارا وقت میری دلداری اور دلجوئی فرماتے رہے۔ آخر تین دن کے بعد میری یہ کیفیت ختم ہوئی۔

پھر آپ (مولانا سندھی) نے فرمایا۔

حضرت میاں صاحب سجادہ نشین اوّل (شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ)

---

[1] سید العارفین کے وصال کے صرف دس دن بعد۔

میرے بہت خیر خواہ تھے۔ آپ میری ہر بات مانتے اور مجھ سے مشورہ لیتے تھے۔

فرمایا میں طلب علم کیلئے بھرچونڈی شریف سے نکلا تو میرے مرشد حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ خدا کرے کسی پختہ عالم دین سے تمہارا پالا پڑے۔ میرا ارادہ ہوا کہ کانپور جا کر مولانا محمد حسن منطقی سے علم حاصل کروں۔ مگر سہارنپور پہنچنے پر ایک شخص نے کہا کہ پڑھنے کیلئے جانا ہے ہو تو یہاں قریب ہی دیوبند میں ایک مدرسہ ہے وہاں سے ہوتے جاؤ۔ میں کانپور کا ارادہ ترک کر کے دیوبند میں اُتر پڑا اور وہاں شیخ الہند مولانا محمود حسن کی شاگردی اور صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ میں یہ سب کچھ حضرت مرشد سائیں علیہ الرحمۃ کی دعا کی برکت سمجھتا ہوں[1]۔"

[1] مولانا امام سندھی کے آخری چار ماہ ماہنامہ "توحید" اکتوبر ۱۹۴۴ء/۲۷-۲۸-۲۹ از مولانا دین محمد وفائی۔

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلاّ کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے۔

الجہاد الجہاد اَیُّھَا الغَافِلُونَ عَنْ حَقِیقَۃِ الجہاد
اے جہاد کی حقیقت سے بے خبر و جہاد، جہاد

جہاد صرف تلوار اُٹھا کر لڑنے کا نام نہیں بلکہ یہ ظاہری و باطنی برائیوں، خامیوں کوتاہیوں، غلطیوں اور دشمنوں کے خلاف اپنی ساری قوتیں صرف کر دینے کا نام ہے۔ کفر، شرک، فسق، ظلم، کھلی برائی کے ساتھ ساتھ بد دیانتی، خیانت، منافقت، بغض، حسد چغل خوری، گلہ گوئی، رشوت، اکلِ حرام کے خلاف صف آراء ہونا بھی جہاد ہے۔ اسی لیئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ سے واپسی پر فرمایا تھا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ ہم چھوٹے جہاد (جنگ) سے بڑے جہاد (جہاد بالنفس)

کی طرف آپ سے ہی۔

فقیرِ سلطان نُما

حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مبارک سراپا دعوتِ جہاد تھی آپ اسلام کے غلبے اور شوکت والی سیاست کے قائل تھے۔ آپ کی نشست و برخاست، سفر و حضر نماز و عبادات سے بھی اسلام کے قرنِ اوّل کے شان و شکوہ کا اظہار ہوتا تھا امین الملّت میر محمد امین خاں کھوسہ مرحوم آپ کو ہر جگہ "فقیر سلطان نما" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کے روحانی اور دینی مقام و مرتبہ کیلئے حکیم قائم الدین مرحوم کا عطا کردہ لقب "خواجۂ خدا نما" اور جذبۂ جہاد اور اسلام کے مخصوص شان و شکوہ کے مظہر ہونے کے حوالے سے آپ کیلئے امین الملّت کا دیا ہوا لقب "فقیرِ سلطان نما" ایسے برمحل اور مبنی برحقیقت القاب ہیں جن سے آپ کی پوری زندگی کی عکاسی ہو جاتی ہے۔

"عبادالرحمٰن" کے مصنف لکھتے ہیں۔

آپ کی زندگی میں کئی ایک متنوع زندگیاں اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں ایک کہانی میں کئی کئی کہانیاں، ایک چہرے ایک شخصیت میں کئی چہرے، ایسی شبنم جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو اور ایسے طوفان جس سے دریاؤں کے دل دہل جائیں۔ دونوں اِس سلطان نما فقیر میں موجود ہیں اپنی بزمِ ساحل پہ فگاکے نوائے زندگی کو نرم خیز بنانے کی کوشش کبھی نہیں کی بلکہ معمول یہ تھا۔

بدریا غلط و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

موجِ دریا کو تھپیڑ مار مار کر مغلوب کرنا اِس غواصِ بحرِ حقیقت کا شاہکار رہا ہے قید و بند کی صعوبتیں، ابنائے زمانہ کی مخالفتیں، دستورِ خانقاہی کی ترتیب مسترشدین کی تربیت اِس جذبے پر اثر انداز نہ ہو سکی اور یہ ملاحِ کشتیٔ حیات کو موجوں کے تھپیڑوں سے بے پروا ہو کر بسلامت ساحل پہ لے گیا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

مردِ غوغا!

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق اور شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہما نے تحریک آزادیٔ وطن کی جو شمع روشن کی تھی وہ آہستہ آہستہ منزل کے قریب پہنچ رہی تھی حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی زندگی ایک عسکری نظام کی مظہر تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپ کسی بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں ہتھیاروں کی فراہمی میں انتہائی دلچسپی لیتے۔ جہاں کہیں کوئی قیمتی ہتھیار دستیاب ہوتا فوراً حسنہ یدلیئے جماعت کو ہتھیار خریدنے اور ہر وقت مسلح رہنے کی تاکید فرماتے۔ گھڑ سواری، نشانہ بازی، تیراکی کُشتی، کبڈی ایسے مردانہ اُمور اہتمام سے کراتے اور اُن میں خود بھی شریک ہوتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجے کے گھڑ سوار، شتر سوار اور غضب کے نشانہ باز تھے۔

ایک زمانے میں آپ نے جماعت کو باقاعدہ فوجی قواعد کی تربیت دلوائی۔ اس کیلئے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ آپ کی نشست برخاست اور رفتار و گفتار سے بلند ہمتی، مردانگی، بہادری اور شاہی جاہ و جلال کا اظہار ہوتا تھا۔ گویا آپ نظیری کے اِس

شعر کی عملی تصویر تھے۔

گریز و از صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

جہادِ کشمیر کیلئے ایک لاکھ تربیّت یافتہ مسلح رضا کار دینے کی پیش کش

ابتداہی سے آپ کی زندگی سراپا جہاد سے عبارت تھی اس لیئے آپ کی جماعت مریدین میں جذبۂ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ لوگ " اللہ کی خاطر جینے اور اس کی راہ میں مرنے " کی رمز سے پوری طرح آشنا تھے۔ آپ کی جماعت کے مجاہدین شہادت کو مومن کی اصلی منزل اور معراج سمجھتے تھے۔ مسجد منزل گاہ کا معاملہ ہو یا ہندو فسادات کا المیہ تحریک پاکستان کی جدوجہد ہو یا اعلائے کلمۃ اللہ کی تحریک، آپ کے تربیت یافتہ مجاہدین کے لشکر نے اپنی مردانگی، بہادری اور اسلام سے والہانہ محبت کے جو انمٹ نقوش تاریخ میں ثبت کئے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ آپ کی جہاد کیلئے ہر وقت تیاری کے فوائد اور ثمرات کا کامل احساس اُن اُن موقعوں پر ہوا جب اچانک اُمتِ مسلمہ کو قربانیوں کی ضرورت پیش آگئی۔

۱۹۵۷ء کے اواخر میں جمعیۃ علمائے پاکستان کی طرف سے " یوم حسین " کا ساتواں جلسہ کراچی میں منعقد ہوا جس میں صدر پاکستان جنرل اسکندر مرزا بھی شریک ہوتے اور خطاب کیا نیز اس میں سلطان البھرہ سیدنا طاہر سیف الدین پاکستان کے وزیر داخلہ ابوالقاسم

فضل حق نے بھی شرکت کی، ان کے علاوہ پاکستان بھر کے ممتاز علماء، مشائخ اور لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس شریک ہوئے۔ (اس کانفرنس کا مکمل ذکر آئندہ صفحات میں آرہا ہے) اِس کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے فرمائی آپ نے اپنے صدارتی خطبے میں اس وقت کے اہم ملی، ملکی اور اسلامی مسائل کا ذکر فرمایا۔ اور تجاویز پیش کیں۔ اِس ضمن میں آپ نے بطورِ خاص مسئلہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ میں جہاد کی رُوح بیدار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اور مسئلہ کشمیر کے حل کو جہاد سے وابستہ قرار دیا۔ اِس موقع پر آپ نے کشمیر کے جہاد کیلئے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار پیش کرنے کا اعلان کیا۔ اِس کانفرنس کی مکمل روئیداد کے عربی ایڈیشن کا نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

" اعلن فضیلۃ مولانا پیر عبدالرحمٰن سجادہ نشین بانہ علی استعداد لتقدیم مأتہ الف متطوع من اتباعہ مجھزین بالعتاد للجھاد فی سبیل کشمیر "

(المؤتمر السابع السنوی : ۱۴)

اعلیٰ حضرت مولانا پیر عبدالرحمٰن سجادہ نشین (بھرچونڈی شریف) نے کشمیر کی آزادی اور جدوجہد کیلئے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کاروں کی پیشکش کی"۔

اُس وقت شاید اِس اعلان کو اتنی اہمیت یا وقعت نہ دی گئی ہو مگر آج کشمیر کے حالات جس منزل پر پہنچ گئے ہیں اور جس ارزانی سے مسلمانوں کا خون وادیٔ کشمیر کے ندی نالوں میں پانی سے بھی زیادہ تیز روانی کے ساتھ بہہ رہا ہے اُن کے گھر جل رہے ہیں عصمتوں کا اللہ حافظ ہے اگر ہماری مصلحت کیشی اور اسلامی جہاد کی اسپرٹ

سے محروم اور امریکہ کے اشارے پر چلنے والی حکومتیں بروقت اس کا اقدام کرلیتیں تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس وقت ہندوستان عسکری اور ایٹمی دنیا میں کسی حیثیت کا مالک نہ تھا۔ ہمارے حکمرانوں نے وقت گنوا کر اپنے لئے اور مسلمانوں کیلئے مشکلات پیدا کیں۔

سوچنے اور دیکھنے کی بات ہے کہ ہمارے مغربیت زدہ حکمران جن لوگوں کو حالات سے بے خبر اور سادہ لوح ہونے کے طعنے دیتے نہیں تھکتے ان کی باریک بینی، مستقبل شناسی اور ان کے نزدیک مسئلہ کشمیر کی اہمیت اور سنگینی اِن نام نہاد دانشوروں سے کس قدر زیادہ اور بلند تھی۔

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنی ہر تقریر میں مسئلہ کشمیر کا ذکر نہایت اہمیت کے ساتھ کیا ہے آپ نے پاکستان کے حکمرانوں کی اِس مسئلہ سے سرد مہری اور تغافل کو ہر موقع پر بلا خوف لومۃ لائم انتہائی جرأت اور بے باکی سے پیش کیا ہے غالباً آپ کی چشمِ بصیرت مسلمانانِ کشمیر کی موجودہ حالتِ زار کو دیکھ رہی تھی۔ اسی لئے آپ کے سینے کا درد ہر جگہ الفاظ کا رُوپ دھار لیتا تھا۔ ؎

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

خواجۂ خدا نُما

امین الملت میر محمد امین خاں کھوسہ مرحوم نے سید شان بخاری مرحوم کے نام اپنے ایک خط محررہ ۲-۲۰-۱۹۷۶ء میں لکھا ہے۔

"حکیم قائم الدین مرحوم میرے حضرت (شیخ ثالث علیہ الرحمۃ) کو "خواجۂ خدا نما" کے نام سے پکارتے تھے۔" (مکاتیب امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ ۶۲ امین الملت اکیڈمی عزیز آباد (جیکب آباد)

خدا مغفرت کرے حکیم قائم الدین مرحوم کی کتنی سچی، کتنی عمدہ اور کتنی حقیقت حال پر مبنی بات اُن کی زبان سے نکلی ہے۔ احادیث میں حقیقی اولیاء اللہ کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے۔

اذا رُءُوْا ذُكِرَ الله

(انہیں دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے)

بلاشُبہ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ اقدس پر نگاہ پڑتے ہی دل سے اللہ اللہ کی ضرب سُنائی دینے لگتی تھی۔ نگاہ اُٹھاتے تو غیر مسلم اور غلط کار لوگ بھڑک کر سامنے آگرتے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ سے آنکھیں چار کرنے والا شخص کسی غیر معمولی کیفیت کا شکار نہ ہو۔ معروف سیاسی لیڈر جی ایم سید اپنی کتاب "جُنبِ گزاریم جن سین" میں لکھتے ہیں۔

"یہ بزرگ (حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ) بلند و بالا قامت، اعضاً گوشت سے بھرے ہوئے، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی، بال شانوں تک، ریش لمبی، ململ کے سفید لمبے کُرتے میں ملبوس انتہائی رُعب دار دکھائی دیتے تھے۔ اکثر نماز روزہ، تلاوت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔"[1]

عباد الرحمٰن کے مصنّف لکھتے ہیں۔

"صالحین کا ذکر نزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہستی کا ذکر تو یقیناً نزولِ رحمت کا سبب ہوگا جس کی ساری عمر میں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی۔ جو

---

[1] جنب گزاریم جن سین: ۲۳ مؤلفہ جی ایم سید مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

صاحبِ ترتیب تھا جس کی ہر ہر ادا میں مجاہدانہ شان تھی۔ جس کی زندگی کا کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں کوئی کافر زنار توڑ کر حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہوا ہو۔ جس کو ایک نظر دیکھ لینے سے دلوں میں خدا کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ جس کی ایک صحبت میں دنیا سے دل سرد ہو جاتا تھا۔ جب سے اُس نے ہوش سنبھالا قہقہہ مار کر کبھی نہیں ہنسا۔ جس کی گفتار مصطفوی شان لیئے ہوئے، جس کا کردار مرتضوی آن لیئے ہوئے جو اپنی شخصیت میں لبقیۃ السلف حجۃ الخلف تھا، جس کی ہم نشینی طالب راہ کیلئے اکسیر کا حکم رکھتی تھی اور منتہی کیلئے مہمیز شوق کا کام دیتی تھی۔" (عباد الرحمٰن ص۲۷)

اس دور میں یہ اعزاز اور انفرادیت حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی کہ آپ کے ہاتھ پہ ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ برصغیر کی تاریخ میں اِس بارے میں قطب زماں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے رُخِ مبارک میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ جس غیر مسلم کی نگاہ پڑتی فوراً کلمہ پڑھنے لگتا۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاثیر بلا مبالغہ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے رخِ مبارک میں عیاں تھی۔ بلا مبالغہ آپ کی زندگی کا کوئی دن ایسا مشکل سے گزرا ہوگا جس میں کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ کا شمار نہیں، غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے ہوں۔ اگر کبھی دو چار دنوں کا وقفہ آجاتا تو اس کی کمی اس طرح پوری ہوتی کہ اکٹھے خاندان کے خاندان مشرف بہ اسلام ہوتے۔ خیال رہے کہ تبلیغ اسلام کا یہ عظیم الشان کام کسی روایتی انداز کی تبلیغ یا ترغیب و ترہیب کے ذریعے نہیں بلکہ سراسر حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی نورانی، جاذبِ نظر، پُرکشش اور خدائی انوار کی حامل شخصیت اور سیرت کا ہی مرہونِ منت تھا۔

سندھ کے غیر مسلم بالخصوص ہندو جاتی کو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ سے جو عداوت بلکہ دشمنی پیدا ہو گئی تھی (اس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے) اس کی واحد وجہ آپ کے ہاتھوں پہ بے تحاشا ہندوؤں کا اسلام قبول کرنا تھا۔ بعض نام نہاد مسلمانوں کو اسلام کی یہ عظیم الشان تبلیغ و ترویج فرقہ پرستانہ تحریک نظر آتی ہے۔ چنانچہ جی ایم سیّد لکھتے ہیں۔

"بعض بریلوی مولویوں کی تحریص پہ پیر صاحب کو مناظروں کا شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں جیکب آباد، حیدرآباد، کندھ کوٹ رحیم یار خان، احمد پور اور سکھر تک مولویوں کو ساتھ لے کر فقراء کی جماعت اور کتابوں سمیت پہنچ جاتے تھے۔ وعظ اور مذہبی پرچار کی خاطر وہ آسام، اسملی، مکالی گنداداہ (قلات) اور دہلی تک جا نکلتے تھے۔ انہی اثرات کی بنا پر پیر صاحب غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں دلچسپی لینے لگے چنانچہ اس وجہ سے ایک طرف ملاؤں مولویوں کے کٹر فرقہ پرست لوگوں میں ان کی شہرت بڑھنے لگی دوسری طرف ہندوؤں میں مخالفت اٹھی پیر صاحب کے بزرگوں کے اکثر مرید جنگجو اور سخت طبیعت کے لوگ تھے ان کو محبت اور سلوک کی تعلیم کی ضرورت تھی نہ کہ فرقہ پرستی اور مذہبی تعصب کی"۔ جنب گذاریم جن سین: ۲۰۔۲۱ جی ایم سیّد

ظاہر ہے کہ اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیئے اپنے حبیب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نافذ کیا اسلام کے اپنے اصول و فروع ہیں۔ بہ طورِ مسلّم عقیدہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والا ہر شخص

اس آخری اور خدائی طرزِ معاشرت کا قائل اور اقراری ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا منکر کافر۔ اب تبلیغِ دین جو تمام انبیائے کرام اور مرسلین کی زندگی کا نصب العین رہا ہے ایک درویش جو درحقیقت انبیاً کا جانشین ہے کس طرح اس سے کوتاہی برت سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ اس کے لیئے باعثِ فضیلت نہیں بلکہ باعثِ نقص ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مجاہدانہ تبلیغی جدوجہد عین منشاَ خداوندی اور سنتِ انبیاً تھی یا فرقہ پرستی؟

دراصل انگریز کی کڑی گرفت کے بعد برصغیر میں بدقسمتی سے ایک ایسی نسل تیار ہو گئی جس کی تعلیم و تربیت، رہن سہن اور اندازِ فکر انگریزوں جیسا تھا۔ یہ لوگ انگریز کی استعماری قوت اور اس کے مقبوضات کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگے تھے کہ نعوذ باللہ اسلام اپنا کردار مکمل کر چکا۔ اب احیائے اسلام یا احیائے سنّت کی باتیں خیالی جنت میں بسنے والی باتیں ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک ایک ایسا ملغوبہ مذہب ہونا چاہیئے جس میں ہندو، عیسائی سکھ، پارسی، یہودی سب لوگ سما جائیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ وحدت ادیان یا ویدانتی بھگتی تحریک کے قائل تھے۔ ان کے ہاں مسلمانوں کے علیحدہ تشخص، تبلیغِ دین اور کفر و اسلام کا فرق کرنا فرقہ پرستی تھا۔ یہ اینگلو محمڈن نسل بڑی تیزی سے پھیلی اور اس نے اپنے فاسد خیالات کو بھگتی ویدانتی تصوّف کی آڑ لے کر محبت اور امن و آشتی کے حوالے سے پھیلانا شروع کیا۔ حالانکہ بقول شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ" اسلام زندگی کو بہتر، برتر، پُرامن اور محبت کا پیکر بنانے کا آخری، جامع اور بے مثل پروگرام ہے شریعت اسی پروگرام کے اصول و ضوابط کا نام ہے۔ اسلام کے دائرے میں امن محبت اور آشتی سب کچھ موجود ہے۔ یہ ہندو فلسفۂ ویدانت صلح کلی یا ہر مذہب حق

ت کی طرح نہیں ہے۔

یہ اینگلو محمڈن نسل اس قدر مرعوبیت کا شکار ہو گئی کہ اب اس کے نزدیک انگریزی سوچ و فکر اور طرزِ حکومت کے سوا کچھ ممکن ہی نہ تھا۔ بالخصوص اسلامی شان و شوکت اور غلبے کی داستانیں تو معاذ اللہ قصّہ پارینہ تھیں۔ اس نظریے کو روس کی استعماری ہڑبونگ نے مزید تقویت بخشی جس نے وقتی طور پر مسلمانوں کی شاندار ماضی رکھنے والی کئی ریاستوں کو ہڑپ کر کے تہس نہس کر دیا تھا۔ اس ذہن کو جوش ملیح آبادی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"دراصل علی گڑھ تحریک اٹھائی ہی گئی تھی اس غرض سے کہ مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی سے بے تعلق ثابت کر کے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی جائے کہ مسلمانوں کا دل حب وطن کی سی ذلیل چیز سے قطعاً آلودہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کو پیٹ پالنے کی خاطر اس قدر تعلیم دی جائے کہ وہ بابو یا ڈپٹی کلکٹر بن کر بڑا بابو بن سکے۔ اپنی زبان کو فراموش کر کے انگریزی میں اس قدر غرق ہو جائے کہ وہ انگریزی میں سوچے اور انگریزی میں خواب دیکھے۔ مغربیت اختیار کر کے مشرق سے اس قدر بیزار ہو جائے کہ اپنی معاشرت، اپنی زبان، اپنے ادب اپنی روایات اور اپنی ثقافتی وراثت کو ذلیل یہاں تک کہ اپنے باپ دادا کو احمق سمجھنے لگے اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ حکومت برطانیہ کو دوام حاصل ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مزاج روزگار کی کارفرمائی کی بدولت اس شر سے خیر اور اس نقصان سے کچھ فائدے کے پہلو

بھی نکل آئے۔ لیکن جب آخری حساب کتاب کے بعد میزانِ کل کی نوبت آئی تو پتہ چلا کہ اس کاروبار میں نفع بہت کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ اور قلیل سود کا کثیر زیاں احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

(* یادوں کی بارات۔ جوش ملیح آبادی ۱۴۸)

چونکہ جی ایم سید سیاستدانوں اور مفکرین کے اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اس لیے انہیں شیخ ثالث مجاہد اسلام "خواجہ خدا نما" ایسے درویش، مبلغ اسلام اور اسلامی شان و شکوہ کی آخری علامت کی یہ باتیں فرقہ پرستی نظر آتی ہیں۔

اینگلو محمڈن نسل کی اس مرعوبیت اور دہشت زدگی کے برعکس علما و مشائخ کا ایک ایسا مؤثر طبقہ موجود تھا جسے اسلام کے بنیادی تصورات پر کامل یقین اس کے وعدوں اور اس پر عمل کے نتائج و ثمرات پر مکمل ایمان تھا۔ ان کے نزدیک یہ وقتی پسماندگی اور ہزیمت مسلمانوں کو ان کے اپنے کردار کی وجہ سے ملی ہے۔ اس کے لیے قرآنی ضابطہ موجود ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

ان کا پختہ ایمان تھا کہ وعدۂ ربانی کے مطابق بالآخر اسلام دوبارہ پوری شان و شوکت اور غلبے سے ابھرے گا اور دنیا میں پھر اسلام کا دور آئے گا۔ یہ ذہنی کیفیت کسی کے اندر اللہ اور اس کے رسول پر مضبوط ایمان، ان کے فرامین پر کامل یقین اور ذاتی طور پر استقامت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جو ظاہر ہے ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ بالخصوص انگریزوں کی پروردہ نسل کے ذہن میں تو سرے سے یہ بات جاتی

ہی نہیں تھی۔

ہمارے نزدیک برصغیر میں اس نقطۂ نظر کی تائید میں جو سب سے مؤثر اور پرجوش آواز اٹھی وہ حکیم الامت علامہ اقبال کی آواز تھی۔ حضرت اقبال کا سارا کلام اسلام کے غلبے، اسلام کی آمد اور اسلامی دور کی واپسی کی نوید پر مشتمل ہے۔ کتنی بڑی بات کہی علامہ نے ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

یا

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

آپ نے مارچ ۱۹۰۷ء میں ایک مشہور نظم لکھی جس میں کھل کر اسلام کے آفاقی پیغام کے احیاء اور عروج کی نوید سنائی۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ہیں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

حضرت علامہ کی یہ سوچ قرآن مجید اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گہرے غور و فکر اور اس پر یقینِ کامل کا نتیجہ تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحات لیستخلفنھم فی الارض (النور : ۵۵)

انگریزی استعمار کے عہدِ ستم کا خاتمہ

دنیا نے دیکھا کہ حالات نے کروٹ بدلی۔ انگریزی استعمار کا سورج غروب ہوا پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکیں پورے زور و شور سے اُٹھ کھڑی ہوئیں دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اسلامی مملکت (پاکستان) وجود میں آئی۔ اور روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اسلامی ریاستوں نے دوبارہ اپنے آپ کو اسلامی خطوط پر منظم کرنا شروع کردیا ہے۔ گویا وقت کے دھارے نے ثابت کردیا ہے کہ انگریزی ذہن کے مرعوب شدہ جدید لیڈروں اور بزعم خویش دور اندیش مفکروں کے سارے قیاس اور اندازے غلط تھے۔ ان کے مقابلے میں حضرت شیخ ثالث اور ایسے ہزاروں باخدا درویشوں کا انداز فکر آفاقی، حقیقی اور کہیں زیادہ صائب تھا۔ یہ لوگ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کے مطابق آنے والے وقت کو چشمِ حقیقت سے دیکھ رہے تھے جبکہ دوسرے لوگوں کی نگاہ صرف سامنے موجود صورت حال پر تھی۔

جی ایم سید کی کم نگاہی اور اسلام کے آفاقی پیغام کی سچائی سے ناواقفیت کا

ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

"پیر صاحب نہایت سادہ اور موجودہ زمانے کے حالات سے قطعی ناواقف تھے آپ کو بعض ملاؤں نے ذہن نشین کرایا کہ سندھ جدا (بمبئی سے) ہونے کے بعد جبکہ سندھ اسمبلی میں مسلمان ممبر اکثریت میں ہیں ملک میں شرعی قانون جاری ہونا چاہیئے اس وقت خان بہادر اللہ بخش سومرہ سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے۔ پیر صاحب مولویوں کو ساتھ لے کر ایک وفد کی صورت میں خان بہادر کے پاس گئے تاکہ وہ شرعی قوانین نافذ کرائیں۔ اللہ بخش جہاں دیدہ، مردم شناس سیاستدان تھے انہوں نے پیر صاحب کے ساتھ بحث و مباحثہ مناسب نہ سمجھا اور انہیں مسلم لیگی ممبران سے رابطہ کرنے کو کہا تاکہ وہ یہ معاملہ اُٹھائیں۔ میں اُس وقت مسلم لیگ میں تھا۔ پیر صاحب ملاؤں کے ساتھ کھوڑو صاحب کے بنگلے پر ہمارے پاس آئے اور بتایا کہ وہ اللہ بخش سے مل کر آرہے ہیں۔ ہم نے اُن سے پوچھا کہ شرعی قانون سے اُن کا مقصد کیا ہے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں زانی کو سنگسار کیا جائے۔ کیس موجودہ ججوں کی بجائے علمائے دین سماعت کریں جو اسلامی فقہ کے مطابق فیصلے کریں۔

اُس وقت پیر علی محمد راشدی بھی وہاں موجود تھے پیر صاحب اُن کے خاندان (راشدیہ) کے مرید تھے راشدی صاحب ہماری نسبت پیر صاحب کی دماغی کیفیت سے زیادہ باخبر تھے چنانچہ انہوں نے ہمیں روک کر پیر صاحب کو جواب دیا کہ حکومت اللہ بخش کے ہاتھ میں ہے وہ کوئی ایسا

قانون اسمبلی کے سامنے پیش کرے تو ہم مدد کریں گے۔ پیر صاحب اس جواب کے بعد واپس چلے گئے۔ شیخ عبدالمجید سندھی کو راشدی صاحب کا یہ جواب پسند نہ آیا۔ انہوں نے کہا ایسے سادہ مزاج بزرگ کو اس طرح پھرانا مناسب نہیں تھا۔ بہتر تھا کہ انہیں سمجھایا جاتا کہ اس مہذب دور میں ایسے پرانے دور والے قانون رائج نہیں ہو سکتے۔ راشدی صاحب کہنے لگے تم لوگ اس شخص کی نفسیاتی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو۔ یہ کوئی دوسری بات سمجھ نہیں سکے گا۔ شیخ عبدالمجید کو اس جواب سے تسلی نہ ہوئی اور وہ مجھے ساتھ لے کر رائل ہوٹل میں پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیر صاحب سے عرض کیا کہ قانون کی وہ دفعات جو آپ نافذ کرانا چاہ رہے ہیں وہ اِس زمانے میں چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ سعودی عرب کے سوا یہ کسی بھی اسلامی ملک میں رائج نہیں ہیں۔ مولویوں کی اکثریت جاہل اور لالچی ہے ان سے انصاف کے صحیح حصول کی توقع نہیں ہے اس کے علاوہ ابھی تک انگریز موجود ہیں ان کے قانون و آئین کی موجودگی میں یہ قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ مگر پیر صاحب اِن باتوں کو سمجھنے کی بجائے اُلٹا شیخ صاحب سے ناراض ہو گئے۔"

اِس اقتباس کو غور سے پڑھیئے اور دیکھیئے کہ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا کردار "ایک بلند پایہ اسلامی قائد، اسلامی انقلاب کے داعی اور اسلامی اقدار کے نفاذ کے پُرجوش اور پُرسوز رہنما کا کردار ہے جبکہ جی ایم سید اور پیر علی محمد راشدی وغیرہ کا طرزِ عمل اسلام کے ابدی نظامِ حیات کے بارے میں پراگندہ ذہنی اور ژولیدہ فکری اور اینگلو محمڈن نسل کے مخصوص ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے۔

شیخ عبدالمجید سندھی سے اس دور میں اسلامی حدود کے ناقابل عمل ہونے کا جملہ منسوب کرنا سراسر اتہام ہے شیخ صاحب ایسا بلند پایہ دانشور اور عالم کیونکر ایسی سطحی بات کہہ سکتا ہے جی ایم سید نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے شیخ عبدالمجید کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان لیگ کا ساتھ صرف اس بناء پر دے رہا تھا کہ وہ اس نئی قائم ہونے والی مملکت میں حقیقی فلاحی اسلامی نظام قائم کرے گی مگر مسلم لیگ کے بعض لیڈر صاحبان مثلاً جی ایم سید، پیر علی محمد راشدی سرے سے اسلامی قوانین ہی کو ناقابلِ عمل سمجھتے تھے سچ فرمایا حضرت اقبالؒ نے۔

آں قوم از تو مے خواہم کشادے
فقیہش بے یقینے کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

دروغ گو را حافظہ نباشد کے مطابق اپنی ایک دوسری کتاب "سئیں سند جا جدوجہد" میں جی ایم سید شیخ عبدالمجید سندھی مرحوم کی اسلام سے وابستگی اور اسلام کو ریاست کا آئین و قانون قرار دینے کی ان کی کوشش کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔ وہ اپنی اس کتاب میں "اسلامی حکومت کا نظریہ" کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

اِس نظریے کے حامی مذہبی جذبہ رکھنے والے تقریباً تمام مسلمان تھے مگر مسلم لیگ میں اِس نظریے کے بڑے علمبردار نواب بہادر یار جنگ تھے۔ اِس نظریے کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی تھی۔

۱۔ مسلمان مذہبی عقیدے کی رُو سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔

۲۔ اِس لیئے ہندوستان میں (مسلم اکثریت والے علاقوں میں) اُن کی علیحدہ حکومتیں ضروری ہیں۔

۴۔ یہ حکومتیں اسلامی اصولوں کے مطابق قائم ہونی چاہییں۔

چونکہ اسلام بین الاقوامی اور فطری مذہب ہونے کے حوالے سے زندگی کے تمام مسائل پر حادی ہے اس لیئے ضروری ہے کہ نجی اور قومی زندگی میں اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل ہم اسلامی اصولوں کے مطابق حل کریں۔ مقصد یہ ہے کہ ہماری حکومت کا سارا نظام شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔ اس نظریے کی حمایت علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر قاضی ممبئی والے اور شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف سے جُدا جُدا عنوانات کے تحت کی گئی۔"[ل]

آپ نے اندازہ فرمایا یہ وہی شیخ عبدالمجید سندھی ہیں جو مکمل اسلامی نظام نافذ کرنے کے پُرجوش حامی اور داعی ہیں۔ اور بقول جی ایم سید اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں قارئین خود اندازہ لگالیں کہ اسلام کے عالمگیر اور خدائی نظام حیات کو اس دور میں من وعن قابل عمل ہونے اور عملاً اُسے نافذ کرانے کے پُرجوش داعی شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف اسلام کے حوالے سے اتنی سطحی بات منسوب کرنا صرف اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی بے سُود کوشش نہیں تو اور کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالمجید سندھی مرحوم بلند پایہ مسلمان رہنما اور اسلام کے ابدی اصولوں پر غیر متزلزل یقین رکھنے والے شخص تھے ان کی پوری زندگی اسی بات کی آئینہ دار ہے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

[ل] نئیں سندھ لاء جدوجہد حصّہ دوم ۲۹۶، ۲۹۷ جی ایم سید

کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی رات

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پوری دُنیائے اسلام کا اصل المیہ اور مسئلہ یہی اینگلو محمڈن نسل ہے جسے انگریز بہادر اقتدار کی کُرسیوں پر مقبوضہ نوآبادت خالی کرتے وقت بٹھا کر گیا ہے۔ دُنیائے اسلام، اصل اسلام، خیر القرون والا اسلام، حدُود اور تعزیرات والا اسلام چاہتی ہے۔ مگران کی گردنوں پر مسلط یہ ٹولیاں مسلمان عوام کے فراہم کردہ نصاب اور روپے پیسے سے عیش کرتے اور قوانین خداوندی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ مسلمان ممالک کے عوام کا جائزہ لیں اور ایک نظر اُن کے حکمرانوں پر بھی ڈال لیں۔ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

مگر یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ جس طرح انگریز کے اقتدار کا سورج عین نصف النہار پر ڈوب گیا انشاء اللہ اس کی یہ معنوی اولاد بھی خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گی۔ اور اسلامی دنیا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے مبارک دور کی سعادتیں اور برکتیں حاصل کرے گی۔ اس نسل کو معلوم ہونا چاہیئے۔ ؎

تمیز بندہ وآقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اب صورت حال کچھ یوں ہے۔ ؎

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آ گئی شاید جہانِ پیر کی موت

اس کتاب میں جی ایم سید نے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اکثر چالاک خلیفوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتے تھے جن میں بطورِ خاص انہوں نے خلیفہ محمد دائم اور خلیفہ خدا بخش کا ذکر کیا ہے۔

یہ بات سراسر خلاف واقعہ اور جی ایم سید کے اپنے غلط مفروضے پر قائم ہے جو شخص ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کی عقیدت کا مرجع ہو جن میں شاہ و گدا، عالم و فاضل ہر قسم کے لوگ شامل ہوں جو اپنے معمولی اشارے سے انسانی قوت کا رخ جدھر چاہے پھیرتا موڑتا رہتا ہے وہ ایسا بے بس اور سادہ لوح ہے کہ اُسے خلیفے اپنے مقاصد کے لیئے استعمال کر لیتے ہیں۔ یہ رائے کوئی عقل سے عاری شخص ہی قائم کر سکتا ہے۔

جہاں تک خلیفہ دائم فقیر خشک کا تعلق ہے بلاشبہ خلیفہ دائم سندھ میں اپنے زمانے کا ایک اہم نام تھا۔ خلیفہ دائم فقیر ناخواندہ ہونے کے باوصف بڑی صلاحیتوں اور خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ اس دور کے وڈیروں سے زیادہ نامور اور ہر دلعزیز تھا۔ انگریز افسران، وزراء اور سیاستدان اُسے انتہائی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تاہم اپنے مرشد اور خانقاہ بھرچونڈی شریف کا وہ ایسا پروانہ تھا کہ جب اس کا آخری وقت آیا تو نہ اس کے گھر میں پھوٹی کوڑی تھی نہ باقاعدہ گھر، نہ کوئی زرعی زمین یا جائیداد تھی۔ اس نے زندگی بھر اپنے آپ کو اور اپنی صلاحیتوں کو حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ پر قربان کیا۔ ایسے بے لوث اور مخلص آدمی پر یہ الزام سراسر تہمت ہے۔

اسی طرح خلیفہ خدا بخش جیسلمیر کے علاقہ مارواڑ کا باشندہ تھا بھرچونڈی

شریف کے میکدۂ عرفان نے اُسے کھینچا تو ہمیشہ کے لیئے یہیں کا ہو گیا۔ خلیفہ دائم کی طرح یہ بھی مر کر اسی مٹی میں دفن ہوا۔ جس میں خود اس کے مرشد آرام کر رہے ہیں۔

خلیفہ خدا بخش گوناگوں خوبیوں اور اوصاف کے باوجود زاہد مرتاض تارک الدنیا اور اپنے مرشد کا دیوانہ تھا۔ یہ لوگ سازشیں تو اس وقت کرتے جب اپنی ذات کے لیئے کچھ سوچتے۔ جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کیا وہ کس لیئے یہ حرکتیں کرتے۔

جماعت احیاالاسلام کا قیام

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ ابتدا ہی سے مسلمانوں کی بے حسی، انحطاط اور ہر لحاظ سے ان کی پسماندگی پر کڑھتے تھے۔ آپ جس طرف مسلمانوں کی ترقی، عروج اور موروثی شان و شکوہ کی کوئی معمولی سی جھلک دیکھتے دیوانہ وار اس کی طرف لپکتے۔ آپ کو پختہ یقین تھا کہ اس انتشار، بگاڑ اور حد درجہ انحطاط سے بالآخر ایک ایسی مسلمان نسل اُبھرے گی جو مسلمان قوم کو دوبارہ مضبوط، منظم اور متحد قوم کی حیثیت دے گی۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال مرحوم نے مسلمان اکثریت والے صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا تو مسلمانوں کے درد میں جلنے والے قائدین کو گھپ اندھیرے میں روشنی کی ایک معمولی لکیر نظر آنے لگی۔ اب مسلم زعما اپنے اپنے طور پر اپنی خوابیدہ قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اُسے منظم اور متحد کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ مسلمان قائدین کی اس جدوجہد کو اُس دور کے ایک شاعر نے یوں

بیان کیا ہے ؎

سرہانے مسلم کے کہہ رہا ہے سروش شانہ ہلا ہلا کر
اُٹھ اے قیامت کے سونے والے اُٹھا میں تجھ کو جگا جگا کر

سندھ کے مسلمان اُس وقت چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ ایک طرف انگریز کی استعماری قوت اور دوسری طرف انگریز کے پروردہ وڈیروں یعنی خان بہادروں وغیرہ کی استحصالی فوج ظفر موج اور اس کے ساتھ ہندو سود خور مہاجنوں کی اقتصادی اور معاشی گرفت نے مسلمانوں کو تقریباً مفلوج کر رکھا تھا۔ چند سر پھرے علمأ مذہبی قائدین اور مسلم رہنما سر پہ کفن باندھ کر اس صورتِ حال کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر حالات قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ ان مذہبی قائدین کے ہوش و حواس بجا تھے وہ سمندر کی اس خاموشی اور پُرسکون فضا کے اندر پوشیدہ طوفان کو اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔

سندھ میں انگریزی استعمار کے خلاف سب سے مضبوط قلعہ یعنی بطلِ حریت شہیدِ اسلام حضرت پیر صبغت اللہ شاہ صاحب پیر پگارا ششم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کو بظاہر دبانے کے بعد خاموشی چھائی ہوئی تھی مگر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔ اِن مایوس کُن حالات میں مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور آپ نے ۱۹۳۷ء میں جماعت احیاء الاسلام کی بنیاد رکھ کر مسلمانانِ سندھ کو پلیٹ فارم اور زبان دینے کا کارنامہ سرانجام دیا۔

آپ چشمِ باطن سے دُنیائے اسلام میں برپا ہونے والی احیائے اسلام کی تحریکوں کو دیکھ رہے تھے چنانچہ اوّلیت کا شرف حاصل کرتے ہوئے ان میں سے بیشتر تحریکوں کے منصۂ شہود پر آنے سے تقریباً پچاس برس پہلے آپ نے برصغیر میں احیائے اسلام کی تحریک

خود احیار الاسلام کے نام سے اٹھانے کا شرف حاصل کیا۔ اور یوں برصغیر میں یہ سعادت سندھ کے حصے میں آئی۔

یہ کوئی مبالغہ آمیز بات نہ ہوگی اگر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ یا احیائے اسلام کی تحریکوں کا بانی حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا جائے۔ ؎

لہٗ ھممٌ لا منتھیٰ لکبارھا
وھمتہ الصغریٰ اجلُّ من الدھر

آپ نے ۱۹۳۷ء میں سندھ کے اسلامی ذہن رکھنے والے چیدہ چیدہ حضرات کی بھرچونڈی شریف میں ایک میٹنگ طلب کی۔ اور انہیں متحد ہو کر کام آگے بڑھانے کی اہمیت کا احساس دلایا۔ یہ وہ دور تھا کہ سندھ میں کانگریس کا طوطی بول رہا تھا۔ مسلم لیگ کا نام صرف کراچی تک محدود تھا۔ ہر چند انگریز اپنا بوریا بستر لپیٹنے کی تیاری میں تھا تاہم سندھ کے جاگیردار اور ابن الوقت وڈیرے روایتی انداز میں چڑھتے سورج (انگریز) کی پوجا میں معروف تھے ان میں سے قدرے زیرک حضرات ہوا کے رُخ کا انتظار کر رہے تھے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دور اندیشی اور انتہائی بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے پہلے سندھ کے اسلامی ذہن کو ایک مقامی پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ مقصد ذاتی قیادت و سیادت نہ تھا۔ وہ تو حافظ الملت علیہ الرحمۃ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے پہلے ہی حاصل تھی۔ مقصد مسلم لیگ کے نام سے بدکے ہوئے کانگریس کے منفی پروپیگنڈے کے شکار عوام کے لیئے ایک اور اسٹیج فراہم کرنا تھا۔ آپ نے اندازہ لگا لیا کہ مسلم لیگ کو سندھ میں ابھی تک وہ پذیرائی نہیں مل رہی جس کی ضرورت ہے آپ کو اس بات کا بھی ٹھیک ٹھاک اندازہ تھا کہ باب الاسلام سندھ کا مسلمان اسلام کا

دیوانہ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسلام کے احیار اور سربلندی اور ملّتِ اسلامیہ کے مفادات کے تحفظ کی آواز بلند کی تو یوں لگا جیسے سندھ کے عوام اسی صدا کیلئے گوش بر آواز تھے۔

اس اجتماع میں "احیار الاسلام" کے نام سے جماعت کی بنیاد رکھی گئی جماعت کی تنظیمی ہیئت کچھ اس طرح تھی۔

صدر : مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

نائب صدر : حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ

سیکرٹری : مجاہد ملّت حضرت پیر عبدالرحیم شہید رحمۃ اللہ علیہ

خازن : حافظ غلام قادر (مرحوم)

مسلمانانِ سندھ نے جماعت "احیار الاسلام" کا تاریخی انداز میں استقبال کیا۔ اور اسے خوش آمدید کہا چند ہی دنوں میں ممبروں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ کام بڑھا تو سید غوث علی شاہ المعروف شان بخاری مرحوم) بھی سیکرٹری نمبر دو کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ شان بخاری مرحوم بلند پایہ ادیب، قادر الکلام خطیب اور بے شمار خوبیوں کے حامل تھے۔ آپ نے جماعت میں نئی روح پھونک دی۔ جماعت کے مرکزی دفتر واقع بھرچونڈی شریف کا سارا کام استاذ عبدالرسول ناریجُو ایڈووکیٹ کے زیر انتظام تھا۔ استاذ عبدالرسول ناریجُو ایڈووکیٹ ایک تعلیم یافتہ، ذہین، بیدار مغز اور سیاسی و مذہبی تحریکوں سے پورے طور پہ آگاہی رکھنے والے شخص تھے۔ آپ نے تمام دفتری امور ریکارڈ، خط و کتابت اور نشر و اشاعت وغیرہ کا سارا کام نہایت ذمہ داری کے ساتھ مثالی انداز میں سرانجام دیا۔

یوں جماعت احیار الاسلام کو کارکنوں کی ساری ٹیم اپنے گھر میں میسر آگئی۔ ان

حضرات نے رات دن ایک کر کے معمولی عرصے میں جماعت کو سندھ کی سب سے زیادہ عوامی اور مقبول جماعت کی حیثیت دے دی۔

جماعت احیاء الاسلام کا منشور شائع ہوا تو اس کے اہم دفعات میں سندھ میں شریعت بل کا نفاذ، بدامنی، چوری، ڈکیتی، اغوا، جوا اور شراب نوشی وغیرہ کا خاتمہ سر فہرست تھے۔ جماعت کے پروگرام کو عام آدمی تک پہنچانے کیلئے پمفلٹ، ہینڈ بل اور اشتہارات وغیرہ بڑی تعداد میں شائع کئے گئے۔

سکھر، شکارپور، جیکب آباد، کندھ کوٹ، کشمور، گھوٹکی، میرپور ماتھیلو اور لاڑکانہ میں جماعت احیاء الاسلام کی طرف سے نہایت شاندار کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ان کانفرنسوں میں عوام نے بھرپور شرکت کی۔ حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے ساری توجہ جماعت احیاء الاسلام پر مرکوز کی تو جماعت بھرچونڈی شریف جس کی تعداد خود لاکھوں میں ہے اپنے اندر ایک ولولہ اور جذبہ محسوس کرنے لگی۔ جماعت کے افراد سندھ کے کونے کونے بلکہ رحیم یار خان اور بہاولپور تک سے ہر جلسے میں شامل ہوتے۔ ان کانفرنسوں میں لنگر عالیہ بھرچونڈی شریف کی طرف سے وسیع پیمانے پر کھانے کا انتظام ہوتا۔ عام شرکائے جلسہ جن کی تعداد بعض اوقات دس دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی بلا امتیاز لنگر سے کھانا کھاتے۔

ان کانفرنسوں میں مسلمان مفکرین، سیاسی رہنما، قائدین اور علمائے کرام خطاب کرتے۔ شعرا اپنی نظمیں پیش کرتے۔ جو علمائے کرام بیشتر کانفرنسوں میں شریک رہے ان میں غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، خطیب سحر بیان حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ، استاذ العلماء مولانا محمد عبد اللہ علیہ الرحمۃ

احمد پوری، واعظ خوش بیان مولانا سید حضور بخش شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سر فہرست ہیں۔

اس ساری جدوجہد اور سعی و کاوش کا مقصد مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا، انہیں اپنے علیحدہ تشخص کا احساس دلانا، انگریزی استعمار کے خاتمے کے بعد انہیں متوقع ہندو سازشوں سے آگاہ کرنا اور انگریزی حکومت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا تھا۔

بحمد اللہ اپنے مقاصد میں یہ کانفرنسیں بڑی حد تک کامیاب رہیں۔ اور دنیا نے دیکھا کہ صدیوں سے غربت اور ظلم کی چکی میں پسنے والے سندھی مسلمان حیرت انگیز طور پر بیدار ہونے لگے۔

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی تنظیم اور تحریک کیلئے پریس کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے۔ یوں تو آپ کی جماعت کا رابطہ پریس سے برابر قائم رہا اور سندھ کے پریس نے جماعت احیاء الاسلام کو بڑھ چڑھ کر کوریج دی۔ تاہم جماعت کیلئے ذاتی آرگن کی ضرورت پھر بھی باقی تھی چنانچہ جماعت کے ایک اہم اجلاس میں جماعت کے ترجمان کی حیثیت سے باقاعدہ ایک سندھی اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اخبار کیلئے ذاتی پریس خرید اگیا اور تھوڑے عرصے میں شکارپور سے "الجماعۃ" کے نام سے مولانا سید صدر الدین شاہ صاحب مرحوم کی ادارت میں باقاعدہ اخبار جاری ہو گیا۔ اخبار کا نام "الجماعۃ" راقم کے والدِ گرامی حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ نے تجویز کیا۔ واضح ہے کہ جماعت کیلئے احیاء الاسلام کا نام بھی آپ ہی نے تجویز کیا تھا۔

اس وقت اندرون سندھ مسلم لیگ کے اثر و رسوخ اور مقبولیت کا عالم کیا تھا اسے جاننے کیلئے ذیل کا واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ مشہور صحافی اور سیاستدان پیر علی محمد راشدی لکھتے ہیں۔

"۱۹۳۸ء کے اوائل میں قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے سندھ کا دورہ کیا. ابتدائی طور پر جوش میں آکر چند وڈیروں نے انہیں دعوت پیش کی چنانچہ جیکب آباد کا پروگرام طے پاگیا. بمقررہ تاریخ پر ہمارا قافلہ جیکب آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ پبلک جلسے کا سرے سے پروگرام ہی نہیں رکھا گیا. اللہ بخش حکومت کے خوف اور جیکب آباد میں کانگریس کے زور کی بنا پر جلسہ کرنا ممکن نہیں سمجھا گیا کئی وڈیرے اور سردار اپنی اطاقوں کو تالے ڈال کر اس روز جیکب آباد سے غائب ہو گئے. حاجی عبداللہ ہارون جن کی وساطت سے یہ پروگرام بنا تھا ششدر رہ گئے. ایسے معاملات میں قائداعظم کی گرمی (اصول پسندی) مشہور تھی. مرحوم عبداللہ ہارون نے میری طرف دیکھا. میں جناح صاحب اور خود مرحوم شیخ صاحب کو ریلوے ویٹنگ روم میں چھوڑ کر حکیم قائم الدین[1] کے پاس پہنچا. میرا حال دیکھ کر حکیم صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے مسلم لیگ کا تو کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا جن سے جلسے کیلئے کوئی کام لیا جاتا. حکیم صاحب نے کانگریسی ورکروں کو حکم دیا کہ فوراً ایک جلسۂ عام کا بندوبست کریں. اکتوبر کا مہینہ جیکب آباد کی گرمی، دوپہر کا وقت، مگر کانگریسی ورکروں نے حکیم صاحب کی خوشی کے لیئے بھاگ دوڑ کر کے چوک میں آدمی اکٹھے کر لیئے. اپنی گاندھی ٹوپیاں چھپالیں اور ننگے سر جلسے میں آموجود ہوئے. جناح صاحب نے تقریر کی اور کانگریس کے کارکن زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے[2]."

---

[1] حکیم قائم الدین مرحوم، حاذق حکیم، عالم دین، یاروں کے یار، مشہور قومی ورکر اور کانگریس کے سرکردہ رکن تھے. جیکب آباد میں آپ کا مطب قومی کارکنوں اور اہلِ علم و فضل کا مشہور مرکز تھا. مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کو "خواجہ خدا نما" کا لقب آپ ہی نے دیا تھا آپ ۱۹۵۹ء میں واصل بحق ہوئے. حق خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا."
[2] اھی ڈینھن اھی شینھن: ۲۷۸ - ۲۷۹، پیر علی محمد راشدی

جماعت احیاء الاسلام کی مقبولیت اور پذیرائی کے بارے میں نامور عالم پیر سید مظفر القادری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عباد الرحمٰن" میں لکھتے ہیں. خیال ہے کہ حضرت پیر سید مظفر القادری رحمۃ اللہ علیہ جماعت احیاء الاسلام کے نائب صدر اور اس کے بانی رکن تھے اس ساری تحریک کے عینی شاہد کی حیثیت سے آپ کے بیان کی جو اہمیت ہو سکتی ہے وہ قارئین سے مخفی نہیں.

"اب ممبر سازی کا کام شروع ہو گیا. ایک دن میں ہزاروں ممبر فارم پُر کرتے. یہ کام اتنی جلدی ہونے لگا کہ حیرت ہوتی. یوں محسوس ہوتا کہ لوگ اسی تحریک کے لیئے چشم براہ تھے. دو تین ماہ میں ممبروں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی. احیاء الاسلام کے پلیٹ فارم پہ جلسے شروع ہوئے سندھ کے طول و عرض میں احیاء الاسلام کی شاخیں تیزی سے قائم ہونے لگیں. جیکب آباد میں ایک کانفرنس بلائی گئی وہ اتنی کامیاب رہی کہ جیکب آباد والوں کے ذہن سے اس کے مناظر اب تک فراموش نہیں ہوئے. علماء اور مشائخ کا اتنا روح پرور اجتماع دیکھنے میں کم آیا ہوگا. ضلع سکھر اور لاڑکانہ میں جماعت کے وفود نے دورے کیئے عوام کو جماعت کے اغراض و مقاصد سے روشناس کرایا گیا. جماعت کی طرف سے ایک اخبار جاری کیا گیا. اس کا نام "الجماعۃ" میں نے تجویز کیا. یہ اخبار مولانا صدالدین شاہ صاحب کی ادارت میں شکارپور سے نکلتا تھا. اخبار کیلئے اپنا پریس خریدا گیا. سندھ کے کونے کونے میں پیر صاحب کی جماعت غیر مانوس نہ رہی. کوئی قصبہ، کوئی قریہ، کوئی خلوت کوئی جلوت ایسی نہ تھی جس میں پیر صاحب کی جماعت احیاء الاسلام کا تذکرہ نہ ہو. صوبہ سندھ میں کانگریس کا زور تھا مسلم لیگ نے ابھی تک صوبہ میں قدم نہ نکالے تھے مسلم لیگ کا دفتر صرف سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون تک محدود تھا. مسلم لیگ کو صوبہ میں متعارف کرانے کیلئے مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون اور خان بہادر

محمد ایوب کھوڑو نے کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا[1]. جس میں احیار الاسلام کے صدر کی حیثیت سے آپ کو مدعو کیا گیا. اس جلسہ میں ہر خاص و عام سے مسلم لیگ کا تعارف ہوا. مقررین میں قائد اعظم محمد علی جناح، نواب زادہ لیاقت علی خان، نواب زادہ اسماعیل خان اور بہت سے اکابرین تھے اس کے بعد سندھ والوں کی زبان پہ پاکستان کا لفظ سنا جانے لگا۔"[2]

اسلامی نظام حیات کو بطور دستور العمل نافذ کرانے کی آپ کے دل میں شروع سے جو تڑپ تھی اس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا رہا. جماعت احیار الاسلام کا قیام اسی خواہش اور آرزو کی منظم، مربوط اور نتیجہ خیز تشکل تھی. احیار الاسلام کے مقاصد واضح تھے. مگر ان کے پیچھے جو درد، سوز، تڑپ اور کسک موجود تھی اس کا معمولی اندازہ لگانے کیلئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط نقل کیا جاتا ہے. یہ خط آپ کی طرف سے حضرت مخدوم عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین کھوڑہ شریف (سندھ) کی خدمت میں لکھا گیا. اس خط میں اُن سے جماعت احیار الاسلام میں شامل ہونے اور تعاون کرنے کی درخواست کی گئی ہے یہ خط فارسی زبان میں لکھا گیا ہے خط کی زبان اور خوش خطی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے میرے سامنے اس خط کی فوٹو کاپی موجود ہے. یہ خط راقم کے والد گرامی حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمۃ کا تحریر کردہ ہے.

بعالی درجت متعالی منقبت، عوالی مرتبت، مخدوم المخادیم، واجب التکریم، شریف نژاد نیک نہاد مخدوم مولوی عبدالخالق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ لعلمہ و رعہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ احوال جماعت مقرون بذکرہ وحمدہ عافیت و خوشتوقتی آنجانب مدعو، ترقیع خیر توقیع وارد گشت

---

[1] یہ اجلاس ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوا.

[2] عباد الرحمٰن : ۱۷۰

از کوائف مافیہا مطلع ساخت، ما حصل و حقیقت مضمون "المنار" این است کہ از انجا کہ بر قوم مسلم ابر تنزل، و ادبار پستی و انحطاط بحدے محیط گشتہ کہ از فرامین خدا تعالیٰ و رسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ در حق بنی فروع انسان مفید ترین اند دور افتادہ در قعر مذلت افتادہ اند. اندریں حالا ضروری است کہ محکمۂ شریعت بصورت مطالبات از حکومت نفاذ کردہ آید. کہ او تعالیٰ عزائم و نیات عباد نیکوتر میداند، جز او سزا باینچناں طور مقرر فرمودہ کہ بار دیگر احدے ہمچو جرأت اقدام نمی تواند. بران در بھرچونڈی شریف بنیاد جماعت احیار الاسلام نہادہ شد تا آنکہ در مسلمانان تنظیم پیدا شود بر یک شاہراہ جمع شدہ از حکومت شریعت بل بطور مکمل منظور کنانند، بغیر ایں سلامتی ایمان و مذہب بسا مشکل، ہمیں حقیقت است کہ عرض داشتہ شد. کاپی اغراض و مقاصد روانہ است آنجناب را دعوت شمولیت است کہ شامل شدہ امداد فرمایند در جماعت وجہت مندان خود نشر و اشاعت اغراض و مقاصد جماعت فرمایند و ممبر فرمایند فی ممبر شدن ۸ر ششماہ مقرر است ہر کہ دہد ممبر جماعت احیار الاسلام تصور کردہ آید، چون عوام در زیر قبضۂ احیاء الاسلام شدند ممبران اسمبلی را بریں شرائط پابند کردہ شود، والا او شان استعفا کنانیدہ آید بر انتخاب آیندہ ہمان ممبر کامیاب کردہ آید کہ مطالبات مسلمانان را بامداد ہر قسم منظور کنانند والسلام

عاکف باب اللہ المستعان

فقیر عبدالرحمٰن[1]

بعالی درجت متعالی منقبت، عوالی مرتبت، مخدوم المخادیم، واجب التکریم شریف نژاد نیک نہاد مخدوم مولوی عبدالخالق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ؛

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

---

[1] مکتوب گرامی قلمی ملوکہ لنگر عالیہ بھرچونڈی شریف

بحمد اللہ جماعت (بھرچونڈی شریف) خوش وخرم اور ذکر وحمد خداوندی میں مشغول ہے جناب والا کی خیر وعافیت مطلوب ہے۔ گرامی نامہ ملا حالات سے آگاہی ہوئی "المنار"[1] کے مضمون کی حقیقت اور خلاصہ یہ تھا کہ چونکہ مسلمان قوم پستی، تنزل اور انحطاط کے اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فرامین کو یکسر بھلا دیا ہے حالانکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فرمودات ہی بنی نوع انسان کیلئے مفید ترین ہیں۔ اس وقت مسلمان قوم ذلت کی گہرائیوں میں بھٹک رہی ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈال کر اس سے محکمہ شریعت کا اجراء کرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے وہ اپنے بندوں کے عزائم اور نیتوں کو بہتر جانتا ہے چنانچہ اس نے جزاو سزا کے قانون اس طرح مقرر فرمائے ہیں کہ دوبارہ کوئی شخص جرائم کا ارتکاب نہ کر سکے لہٰذا بھرچونڈی شریف میں احیار الاسلام کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی ہے تاکہ مسلمانوں میں تنظیم پیدا کر کے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جاتے اور پھر اس کے ذریعے حکومت سے مکمل شریعت بل منظور کرایا جا سکے۔ اس کے بغیر ایمان اور مذہب کو بچانا بہت مشکل ہے۔ ہماری معروضات کا خلاصہ یہی ہے۔ جماعت کے اغراض و مقاصد کی کاپی روانہ ہے۔ جناب والا کو جماعت میں شمولیت کی دعوت پیش کی جاتی ہے کہ شامل ہو کر امداد فرمائیں۔ اپنی جماعت اور عقیدت مندوں میں ان اغراض و مقاصد کی نشرواشاعت فرمائیں۔ اور ممبر سازی کرائیں۔ ہر ممبر کو شش ماہی چار آنہ مرکزی فنڈ میں جمع کرانے ہوں گے جب عوام کی اکثریت احیار الاسلام کے

[1] "المنار" سندھ کا مشہور ہفت روزہ اخبار، شروع شروع میں المنار ماہانہ رسالہ کے طور پر مسٹر عبدالرحیم کی ادارت میں نکلا ۱۹۳۳ء میں اس رسالے نے حافظ عبدالمجید کی ادارت میں ہفت روزہ اخبار کی شکل اختیار کر لی اس اخبار نے سندھ کو بمبئی سے آزاد کرانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ "المنار" نے مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کی جماعت احیاء الاسلام کے لئے بڑا کام کیا۔

اغراض و مقاصد سے متفق ہو جائے گی۔ تو اسمبلی کے ممبروں کو ان شرائط (شریعت بل پاس کرانے) پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوں گے یا بل پاس نہیں کرا سکیں گے تو انہیں مستعفی دینا ہو گا اور آئندہ وہی ممبر کامیاب کرائے جائیں گے جو ہر صورت میں مسلمانوں کے مطالبات منظور کرانے کی اہلیت رکھتے ہوں"۔

والسلام

عاکف بابِ اللہ المستعان

فقیر عبدالرحمٰن

ان حالات میں ایک طرف مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم اتحاد، اسلامی تشخص اور دوسرے لفظوں میں اندرونِ سندھ مسلم لیگ کا محاذ مکمل طور پر سنبھال لیا تو دوسری طرف ہندوؤں کی تنگ نظری، تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت خود مسلم لیگ کے لئے فضا سازگار بنانے لگی اس وقت برصغیر کے ہندوؤں کی حالت کا حضرت علامہ نے بہت خوبصورت نقشہ پیش کیا ہے۔

نگہدارد برہمن کارِ خود را — نمی گوید بہ کس اسرارِ خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگذر — بدوشِ خود برد زنارِ خود را

ان پُر آشوب اور ناگفتہ بہ حالات میں اکتوبر ۱۹۳۸ء میں کراچی میں بہت بڑے پیمانے پر مسلم لیگ کے جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ اس جلسے کے اہتمام و انصرام میں سیٹھ عبداللہ ہارون، محمد ایوب کھوڑو، مولانا عبدالحامد بدایونی اور جی ایم سید پیش پیش تھے۔ اس جلسے میں مجاہدِ اسلام حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کو بطورِ خاص مدعو کیا گیا آپ سینکڑوں کی تعداد میں فقراء اور جماعت احیار الاسلام کے کارکنوں اور عہدیداروں سمیت شامل ہوئے۔

اب حالات نے انگڑائی لی۔ اندرون سندھ کی فضا حضرت شیخ ثالث کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پہلے ہی سازگار تھی گویا لوہا گرم تھا صرف چوٹ کی ضرورت تھی اس جلسے نے ہوا کا رُخ بدل دیا۔ اور بقول کیول رام ملکانی مصنف THFSINDH STORY مسلم لیگ والے، ۲۹ مسلم ایم ایل اے (ممبر لیجسلیٹو اسمبلی) حضرات کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسری طرف ہندوؤں نے بھی بقول پیر علی محمد راشدی تدبر اور دُور اندیشی کی بجائے پہلے سے زیادہ شوخی اور ضد و ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار کیا"۔

(داهي ڏيفن اهي تيفن : ۴۹۵)

خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ اس شر سے خیر کا پہلو یہ نکلا کہ ۱۹۴۳ء میں سندھ اسمبلی نے پورے برصغیر میں سب سے پہلے پاکستان کے قیام کا بل پاس کیا۔

ڈاکٹر غلام علی الانہ وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد اپنی کتاب "پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصّہ" میں "حصولِ پاکستان کے لیئے عملی اقدام اور سندھ کا کردار" کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

"یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز حکومت نے قائدِ اعظم کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ ہندوستان کے کسی بھی مسلم اکثریت والے صوبے کی اسمبلی سے اپنی اکثریت اور مسلم لیگ سے ہمدردی کا ثبوت دیں"۔ انگریز حکومت کے اس چیلنج پر پیر جھنڈی شریف سندھ کے روحانی پیشوا پیر عبدالرحمٰن صاحب نے سندھ اسمبلی کے مسلمان اراکین کے اجلاس میں ان پر زور دیا کہ وہ پاکستان کی تائید میں ووٹ دیں۔ ۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو سندھ اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ جی ایم سیّد نے پاکستان کے قیام کے لیئے قرارداد پیش کی سیّد صاحب نے قرارداد میں کہا کہ ہندوستان کے مسلمان الگ قوم ہیں اور ایک الگ قوم کی حیثیت سے

الگ وطن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس قرارداد کا متن یہ ہے۔

"یہ اجلاس حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ اس صوبے کے مسلمانوں کے جذبات اور خواہشات سے حکومتِ برطانیہ کو آگاہ کیا جائے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان ایک الگ قوم ہیں جن کو الگ مذہب، فلسفہ، سماجی رسمیں، ادب، روایات اور سیاسی و اقتصادی نظریات ہیں اس لیئے وہ حق بجانب ہیں کہ وہ ہندوؤں سے مختلف ہیں اور مسلمانوں کی اپنی جدا آزاد قومی ریاست ہو جہاں وہ ہندوستان کے اکثریتی علاقوں میں آباد ہیں۔ وہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا قانون قابل قبول نہیں ہوگا جس میں مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت دوسری قوم کے زیرِ اثر رکھا جائے۔ اس لیئے ضروری ہے کہ ان کی اپنی الگ قومی ریاست ہو اگر مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت رہنے پر مجبور کیا گیا تو اس کی جواب داری حکومت پر ہوگی اور اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا"۔

اس قرارداد کی تائید معمولی ترمیم کے ساتھ شیخ عبدالمجید سندھی نے کی اس اجلاس میں ستائیس اراکین موجود تھے جن میں سے چوبیس اراکین نے قرارداد کی حمایت کی اور تین ہندو اراکین نے مخالفت کی۔ ہندوستان میں واحد صوبہ سندھ ہی تھا جہاں مسلم لیگ کی وزارت قائم تھی۔ اور صوبہ سندھ ہی وہ واحد صوبہ تھا جس کی اسمبلی نے اکثریت سے سارے ہندوستان میں اوّل یہ قرارداد منظور کی تھی اگر صوبہ سندھ سے یہ قرارداد منظور نہ ہوتی تو حالات کچھ اور کروٹ بدلتے لیکن یہ سعادت صوبہ سندھ کو ہی نصیب ہونی تھی اس لیئے صوبہ سندھ کو قیام پاکستان کی اس قرارداد پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فخر رہے گا"۔[1]

---

[1] پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ: ۵۹، ۶۰ ڈاکٹر غلام علی الانہ: مطبوعہ کراچی

اُس وقت سندھ کے جو لیڈر قیام پاکستان کے لیئے تگ و دو کر رہے تھے ان میں قائداعظم کے علاوہ سرحاجی عبداللہ ہارون، غلام حسین ہدایت اللہ، شیخ عبدالمجید سندھی غلام محمد بھرگڑی، سرشاہ نواز بھٹو، پیرالٰہی بخش، جی ایم سید، پیر علی محمد راشدی، پیر غلام مجدد سرہندی مٹیاروی، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، پیر عبدالستار جان اور آغا محمد ہاشم جان سرہندی سرِفہرست تھے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کے طول و عرض میں اپنی جماعت کو بجلی کی تیزی کی طرح فعال بنا دیا۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ کارکن پھیل گئے اشتہارات، ہینڈ بل، جلسے، جلوس، گیت، نظمیں الغرض ساری صورتیں بروئے کار لائی جانے لگیں۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے آرام و سکون، خوراک و طعام سب کچھ بھلا کر رات دن ایک کر دیا۔ آپ کا ایک قدم کراچی میں ہوتا تو دوسرا جیکب آباد یا سکھر کے دور دراز دیہاتوں میں۔ چونکہ سندھ میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیا اور مشائخ کے ذریعے ہوئی ہے اس لیئے ابھی تک سندھ میں روحانی خانوادوں کے کافی اثرات موجود ہیں۔ ان خانوادوں کے اکثر حضرات روایتی رسوم و رواجوں کے اسیر کرسی کی دوڑ کے ماہر اور اسلامی و روحانی تقاضوں سے بے خبر تھے چنانچہ ان میں ولولہ انقلاب برپا کرنے کیلئے حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تنظیم ضروری خیال کی۔

تنظیم المشائخ

حیدرآباد کے سرہندی پیر صاحبان خصوصاً مجاہد ملت حضرت پیر غلام مجدد سرہندی مٹیاروی کے مشورہ سے آپ نے "تنظیم المشائخ" کے نام سے سندھ کے تمام سجادہ

نشینوں کی ایک تنظیم کا اعلان کیا۔ تنظیم کا صدر دفتر حیدرآباد سندھ میں قائم کیا گیا۔ یہ تنظیم ۱۹۴۵ء کے اوائل میں آرگنائز کی گئی۔ اس کے پہلے اجلاس کیلئے نہایت خوبصورت دعوت نامے چھپوائے گئے اور سندھ کے تمام گدی نشینوں کو بھجوائے گئے یہ اجلاس اپریل ۱۹۴۶ء کو اخوند عطا محمد کے مکان واقع تلک چاڑی حیدرآباد سندھ منعقد ہوا۔ اجلاس میں سارے خانوادوں کے نمائندے تو شریک نہ ہو سکے البتہ بیشتر خانقاہوں کی نمائندگی موجود تھی۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مشائخ کرام کو اُن کے آباؤ اجداد کی تبلیغی کوششوں اور کارناموں سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں مسلمان قوم کی کڑی آزمائش کے دوران پاکستان کی اہمیت، افادیت اور برصغیر میں مسلم مفادات کے تحفظ کیلئے ایک آزاد مسلم مملکت کی ضرورت سے آگاہ کیا اور ان سے اپیل کی کہ آپ لوگ ہی اسلامیان سندھ کے حقوق کے نگہبان اور وارث ہیں آپ آگے بڑھیں اور مسلمان قوم کو ہندو کی معاشی اور سیاسی برتری سے نجات دلائیں۔

بحمداللہ تنظیم المشائخ کا یہ اجلاس کامیاب رہا اور مشائخ کرام میں سے جو حضرات ابھی تک خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے وہ بھی پورے جوش و خروش سے مسلم لیگ کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

جی ایم سیّد کی مُسلم لیگ سے علیحدگی

۲۴ فروری ۱۹۴۵ء کو غلام حسین ہدایت اللہ کی مسلم لیگ وزارت کے خلاف شیخ عبدالمجید سندھی نے عدم اعتماد کی قرارداد پیش کی جو منظور ہو گئی۔ سندھ مسلم لیگ کے صدر جی ایم سیّد نے قائداعظم اور نوابزادہ لیاقت علی خان کو بذریعہ تار اس کی اطلاع دی۔

قائداعظمؒ نے تار ہی کے ذریعے جی ایم سید کو یہ جواب دیا۔

"آپ کے تار مورخہ ۲۴ فروری اور ۲۷ فروری موصول ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے خود قبول کیا ہے کہ آپ نے غیر قانونی طریقے اختیار کئے ہیں آپ غیر مناسب منصوبہ بندیوں میں شامل ہو کر دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہیں۔ آپ نے اپنے رہنما اور پارٹی کے خلاف غداری کی ہے اس اقدام سے آپ نے ہمارے مقاصد اور مسلم لیگ کی شان کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے درمیان بمبئی میں جو باتیں ہوئی تھیں ان کی خلاف ورزی ہے میرے مشوروں کو نظر انداز کیا گیا ہے اب آپ کو کسی قسم کی ہدایتیں یا مشورے دینا بالکل بے معنی ثابت ہوگا۔

(پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصّہ: ۶۷ ڈاکٹر جی الانہ)

یہ وہ منزل تھی جہاں سے مسلم لیگ اور جی ایم سید کے راستے الگ الگ ہوگئے چنانچہ جی ایم سید نے اپنا الگ گروپ بنا لیا۔

جی ایم سیّد والی نشست پر معرکہ آرائی

ادھر سے صوبائی اسمبلی کے الیکشن کا اعلان ہوگیا۔ مسلم لیگ نے اپنے نامزد امیدواروں کو ٹکٹیں دیں اور ہر حلقے سے اپنے اُمیدوار کھڑے کیے کانگریس کے علاوہ مولابخش سومرو اور جی ایم سیّد نے اپنے اپنے گروپ کی طرف سے علیحدہ امیدوار کھڑے کیے سب سے اہم مقابلہ جی ایم سید والی نشست پر تھا جہاں سے مسلم لیگ نے قاضی محمد اکبر کو اپنا اُمیدوار نامزد کیا تھا۔ ان دنوں میں سندھ مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی خان بہادر محمد ایوب کھوڑو گروپ اور غلام حسین ہدایت اللہ گروپ۔ قائداعظم نے مسٹر جی الانہ کو

الیکشن کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا اور بطورِ خاص اُنہیں حکم دیا کہ مجھے جی ایم سید والی نشست ضرور چاہیئے کیونکہ یہ نشست بہت اہم ہے اور میں قاضی اکبر کو جو جی ایم سید کا مقابلہ کر رہا ہے کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر غلام علی الانہ لکھتے ہیں۔

"اس کے بعد مسلم لیگ کے کارکن، نیشنل گارڈز، سندھ کی با اثر شخصیتیں جی ایم سیّد والے حلقے میں پھیل گئے ان میں پیر غلام مجدد سرہندی بھرچونڈی شریف کے بزرگ پیر عبدالرحمٰن اور ان کے صاحبزادے پیر عبدالرحیم نے قاضی محمد اکبر کی حمایت میں کام کیا ان کے علاوہ سندھ کے علمأ کی ایک جماعت جس میں سید صدرالدین شاہ، پیر محمد حسن جان سرہندی ٹنڈو سائیں داد والے اور دیگر بزرگوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں سندھ کے دورے کیئے اور اپنے مریدوں اور خادموں کو بھی مسلم لیگ کی مدد کیلئے خطوط لکھے ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو سندھ اسمبلی کا انتخاب ہوا جس میں مسلم لیگ کو سو فی صد کامیابی حاصل ہوئی۔" (پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ ۷۳-۷۴، ڈاکٹر غلام علی الانام

مولانا شرف قادری لکھتے ہیں۔

"حضرت پیر صاحب کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں کانگریس کا فسوں ٹوٹ کر رہ گیا اور پاکستان کی والہانہ محبت لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی انجمن احیأ الاسلام کی قوت و مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سندھ اسمبلی کے آٹھ ممبر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جن میں سے پانچ وہ تھے جنہیں حضرت پیر صاحب نے احیأ الاسلام کی طرف سے کامیاب کرایا تھا آپ نے انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ مقصد تو دین کی خدمت، ملک کی اصلاح اور اسمبلی میں ہندو عنصر کا زور توڑنا ہے۔

لہٰذا کیوں نہ ہم مسلم لیگ کو کامیاب کرائیں۔"[1]

ہندو مسلم فسادات

برصغیر کی تاریخ شاہد ہے کہ ہزاروں سال اکٹھے رہنے کے باوجود مسلمان اور ہندو اپنے تمدن تہذیب، معاشرت اور ثقافت میں ہمیشہ الگ الگ رہے نہ انہیں اکبر کا دین الٰہی ایک ملت بنا سکا اور نہ گرو نانک کی تحریک صلح کلی اور بھگتی تحریک۔ مسلم مفکرین نے مسلمانوں کو ہمیشہ علیحدہ تشخص کا درس دیا۔ مسلمان بحیثیت قوم کسی ملک وطن، زبان یا نسل کی تفریق کے قائل نہ تھے۔ ان کے نزدیک دنیا بھر کے کلمہ گو ایک قوم اور دنیا بھر کے غیر مسلم دوسری قوم تھے۔

اس بات کو زیادہ تقویت ہندو کی تنگ نظری اور تعصب نے دی۔ پیر علی محمد راشدی ہندوؤں کی اس تنگ نظری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"۱۹۲۷ء میں لاڑکانہ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے اس پیمانہ پر سندھ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا فساد تھا اس کے شعلے سارے سندھ میں پھیل گئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دیوار قائم ہوگئی ہندوؤں نے مہاسبھا تنظیم قائم کی جس کے چند اصول یہ تھے۔

۱۔ ہندو قوم کی ہندو مذہب کی بنیاد پر سنگھٹن (تنظیم)

۲۔ ہندوؤں کو ہر شعبۂ زندگی میں ترقی دلانا۔

۳۔ مسلمانوں کو کمزور، کنگال اور ذلیل رکھنا۔

۱؎ تذکرہ اکابر اہل سنت، ۲۴ مولانا عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ لاہور

۴۔ اسلام کی برائیاں بیان کر کے اس کے اثرات کو ختم کرنا۔"[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں

"۱۹۳۰ء کے ہندو مسلم فسادات میں بعض سنگدل ہندو مہاسبھائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جھوٹے فوجداری کیس دائر کیے۔ ہر سرکردہ آدمی کو جیل بھجوانے کی کوششیں شروع کر دیں"[2]

یہ حالات پیدا ہوئے تو مسلمانوں میں سیاسی بے چینی کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد اور قوت کا احساس بڑھنے لگا دوسری طرف ابھی تک سندھ بمبئی کی پریذیڈنسی کے ماتحت تھا جہاں ظاہر ہے اکثریت ہندوؤں کی تھی اب عملاً صورتحال یہ تھی کہ سندھ میں اقلیت ہونے کے باوجود بمبئی پریذیڈنسی میں اکثریت کی بنا پر ہندو اپنی سیاسی بالادستی قائم کیے ہوئے تھے معاشی اور اقتصادی طور پر انہوں نے مسلمانوں کی بڑی اکثریت کو پہلے ہی سودی قرضوں میں جکڑ رکھا تھا۔ پیر علی محمد راشدی لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں نے دیکھا کہ سندھ کے بمبئی پریذیڈنسی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سندھ کے ہندو بمبئی پریذیڈنسی ہندو اکثریت کا فائدہ اٹھانے لگے ہیں اور مسلمان سندھ میں اکثریت کے باوجود ان فوائد سے محروم تھے اس بناء پر سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کی تحریک مسلمانوں کی طرف سے شروع ہوئی تو ہندوؤں نے اس کی زبردست مخالفت کی اس سے مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ بمبئی سے سندھ کا تعلق ان کے لیے شدید نقصان کا موجب ہے اور ان کی نجات کا راز اسی میں ہے کہ سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے الگ کر کے مستقل صوبہ بنایا جائے۔"[3]

۱؎ اھی ڈیفن اھی شیفن ۱۴۱-۱۴۲ پیر علی محمد راشدی ۲؎ اھی ڈیفن اھی شیفن ۱۰۴
۳؎ " " " ۴۹۲

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرانے کی تحریک میں زبردست حصہ لیا سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کے سلسلے میں تین بڑی کانفرنسیں ہوئیں۔[1] ایک کراچی میں شیخ عبدالمجید کی صدارت میں دوسری حیدرآباد میں علامہ یوسف علی کی صدارت میں اور تیسری کراچی میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی صدارت میں۔ آپ نے کراچی کی دونوں کانفرنسوں میں شرکت فرمائی۔

ہندو جو آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے پہلے ہی نالاں تھے بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک میں پیر صاحب کی قیادت اور جدوجہد دیکھ کر بھنا اُٹھے، مگر اللہ کا یہ مقبول بندہ بلاخوف اپنے راستے پر سرگرم سفر رہا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیئے تھے انداز خسروانہ

اس جدوجہد کے نتیجے میں سندھ نے ۱۹۳۷ء میں بمبئی پریذیڈنسی سے الگ ہو کر مستقل صوبے کی حیثیت اختیار کی اور یوں ہندوؤں کی سیاسی بالادستی کا خاتمہ ہوا۔ مگر ہندوؤں کے دل میں حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف عداوت کی آگ مزید تیز ہو گئی۔

مجاہد ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید پر ہندوؤں کا قاتلانہ حملہ

انہی دنوں رہڑکی (تحصیل اوباڑہ کا ایک قصبہ) کے مشہور خوش گلو کنور رام (جسے ہندو احترام کی بناء پر بھگت کنور رام کہتے تھے) کی بھتیجی مسلمان ہو گئی اس پر سندھ کے تمام ہندو محاذ بنا کر حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔ لاکھوں پیسے چندہ

[1] سندھ جو تید: امین الملت محمد امین خان کھوسہ ۴۴

کیا گیا جو عرصے سے دلوں میں موجود آگ یکایک بھڑک اُٹھی اس واقعے کو بنیاد بنا کر حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ پر مقدمہ دائر کیا گیا۔ حکومت برطانیہ کے قانون کے تحت حکومت کی اجازت کے بغیر کسی کو مسلمان کرنا بالخصوص ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے اور ۱۶ سال سے کم عمر لڑکی کو کلمہ پڑھانا ناقابل معافی جرم تھا چونکہ بھرچونڈی شریف کے ماحول میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی کی حاکمیت ماننے کا کوئی تصور ہی اب تک موجود نہیں ہے اس لیئے یہاں انگریز کے پورے دورِ حکومت میں بلا امتیاز لوگ کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔

عدالت نے آپ کو بلایا مقررہ تاریخ پر پانچ سو سے زیادہ فقراء کی جماعت کے ہمراہ لا الٰہ الا اللہ کی ضربیں لگاتے ہوئے یہ سلطان خانقہ عدالت میں پہنچا تو عدالت نے فقرا کے تیور بھانپ کر مزید بدامنی سے بچنے کی خاطر آپ کو کچھ کہے سنے بغیر واپس کر دیا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں مجاہد ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے میں سکھر گئے۔ آپ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تحریک پاکستان اور دوسرے قومی و ملی امور میں ان کے دست و بازو اور جماعت بھرچونڈی شریف کے بے خوف اور نڈر قائد تھے۔ آپ صاحب علم و فضل، پابند صوم و صلوٰۃ اور کئی دیگر خوبیوں کے مالک تھے۔ سکھر کے ایک بازار سے آپ نے سودا سلف خریدا۔ آپ کے ہمراہ آپ کے ماموں میاں محمد اسمٰعیل مرحوم تھے۔ آپ سودا سلف لے کر باہر نکلے تو ہندو غنڈوں نے جو پہلے سے منصوبہ بندی کے تحت تیار بیٹھے تھے ایک آدمی آپ کے پاس بھجوایا کہ خرید فروخت کے حساب میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے سیٹھ (ہندو) کہتا ہے کہ ایک منٹ کیلئے تشریف لائیں تاکہ حساب کی فہمید کر لیں۔ آپ نے سامان کی نگرانی کیلئے میاں محمد اسمٰعیل کو وہیں چھوڑا اور

میں ابھی آتا ہوں کہہ کر ہندو ملازم کے ساتھ چل پڑے۔ منصوبے کے تحت بلا کر لے جانے والے آدمی نے کہا حضرت بازار کے راستے سے چکر پڑے گا یہ کوچہ سیدھا وہاں جا نکلے گا آپ اس کوچے میں ہو لیے درمیان میں پہنچے تو آٹھ دس ہندو نوجوانوں نے دونوں طرف سے آپ پر برچھیوں اور چاقوؤں سے حملہ کر دیا۔ آپ تین چار نوجوانوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ کسرتی جسم کے مالک تھے ایک دفعہ انہوں نے قابو کر لیا۔ سینے بازو اور سر پہ گہرے زخم آئے سارا بدن خون میں نہا گیا مگر آپ نے ہمت سے جھٹکا دیا تو اٹھ کھڑے ہوتے اور یکہ و تنہا چاقوؤں، برچھیوں کا مقابلہ کرتے زخم بہتے بازوں پہ روکتے کوچے سے بڑی سڑک پہ آ گئے وہاں ایک مسلمان تانگے والا کھڑا تھا اس نے دیکھا تو شور مچاتے ہوئے فوراً آپ کی مدد کیلئے لپکا لمحے میں ہزاروں مسلمان اکٹھے ہو گئے یہ خبر پورے سکھر میں فوراً پھیل گئی حضرت پیر شہید کا پورا جسم شدید زخمی تھا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا مگر آپ کے ہوش و حواس پوری طرح قائم تھے۔ اتنے میں پولیس اور ہندو لیڈر اکٹھے ہو گئے اور آپ سے تھانہ چل کر پولیس کارروائی کرنے پر زور دینے لگے۔ آپ نے کسی قسم کی پولیس کارروائی سے انکار کیا۔ زخموں کی ضروری مرہم پٹی کے بعد خون بہاتے انہی خون آلود کپڑوں میں بھرچونڈی شریف پہنچے تاکہ خدائی حکومت کے اس مرکز میں اپنی رپٹ درج کرائیں۔

ہندو ذہنیت کے تعصب اور واقعات کو مسخ کرنے کی روایت تو بہت پرانی ہے مگر ماضی قریب میں ہونے والا یہ واقعہ جس کے ابھی تک سینکڑوں گواہ موجود ہیں جو اس وقت پورے سندھ کے پریس میں آیا اب ایک ہندو مصنف سے نہایت عجیب شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ یہ گھوڑے کو گدھا، سردی کو گرمی اور دن کو رات قرار دینے اور حقائق کے منہ میں دھول جھونکنے کی ایک ایسی ناپاک جسارت ہے جسے ہندو ذہن ہی اختراع

کر سکتا ہے۔

مشہور بھارتی مصنف کیول رام ملکانی اپنی کتاب The Story of Sindh میں لکھتے ہیں۔

"On I November 1939 Bhagat Kanwar Ram The wellknown Singer Saint of Sindh was Cunned Down at RUK Railway Station and No Body was arrested. When Pamnani, MLA said that the Pir of Bhar Chundi Had Got Khanwar Ram Killed (EARLIER The Pirs' Son had been Beaten for Kidnapping Hindu Girls) He too was Gunned Down".

یکم نومبر ۱۹۳۹ء کو مشہور گلوکار بھگت کنور رام ریلوے اسٹیشن رک پہ بندوق کا نشانہ بن گیا اور کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا۔ جب پمنانی ایم ایل اے نے کہا کہ کنور رام کو پیر بھرچونڈی نے قتل کرایا ہے (اس سے کچھ عرصہ پہلے ہندو لڑکیوں کے اغوا کی بنا پر پیر صاحب کے صاحبزادے کو مارا پیٹا گیا تھا) تو وہ بھی گولی کا نشانہ بن گیا۔

یہ ایک ایسا نیا انکشاف ہے جس کا تانا بانا ملکانی صاحب کے ذہن نے ہی بُنا ہے پورے ملک میں سیاسی طوفان آیا ہوا ہے۔ سندھ قتل و خون کی آماجگاہ بنا ہوا ہے پیر صاحب بھرچونڈی شریف مسلمان قیادت کی صف اول کے قائدین میں سے ہیں۔ ان کے صاحبزادے پیر عبدالرحیم شہید ساری تحریک کی کمان کر رہے ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال سے اوپر ہے آپ کی دوراندیشی، بالغ نظری اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی دردمندی اور بہی خواہی کا تذکرہ اپنے پرائے سب کی زبان پہ ہے مگر تقریباً پچاس سال بعد ایک ہندو مصنف ایجاد بندہ گرچہ گندہ کے مطابق حضرت پیر شہید کی کردار کشی کی بنیاد ڈالتے

ہیں معروف ہے صوبہ سندھ کی اس زمانے کی پولیس فائلیں آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ پیر عبدالرحیم شہید کے خلاف اس قسم کی کوئی رپٹ یا خط موجود نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا البتہ بھرچونڈی شریف میں کلمہ توحید پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے تمام افراد کے بارے میں ہندو پروپیگنڈہ یہی ہوتا تھا کہ انہیں اغوا کر لیا گیا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

کچھ عرصہ بعد سندھ کے چیدہ چیدہ ہندو لیڈروں کا ایک وفد حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بخصوص ہندوانہ ذہن کے مطابق اسے چند شرارتی لڑکوں کی بدمعاشی قرار دے کر معافی کا خواستگار ہوا۔ نیز قانونی اقدام اٹھانے کی صورت میں یہ لڑکے بارے حکومت کے حوالے کرنے کی پیشکش کی مگر حضرت شیخ ثالث نے یہ کہہ کر ان کی باتیں رد کر دیں کہ ہم یہ تکلیفیں اسلام کی خاطر اٹھا رہے ہیں اپنا دکھڑا یا درد غیر مسلم حکومت (انگریز) کے پاس لے جائیں یہ ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ ہم نے اپنا استغاثہ اپنے مالک و مولیٰ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا ہے چنانچہ آپ نے کوئی قانونی یا انتقامی کارروائی نہیں کی۔

سندھ کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے صاحبان اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیسویں صدی کے اوائل ہی سے یہاں ہندو مسلم فسادات کا آغاز ہو گیا تھا یوں تو ہندو مسلم کشمکش کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنے خود یہ مذاہب۔ تاہم قومی سطح پر منظم انداز میں اس کشمکش کی تاریخ تقریباً ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ برصغیر میں رہنے والی تمام قوم کو ایک قوم قرار دینا اور عارفانہ تجاہل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اپنے اپنے مذہب اور تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر ایک رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کی تحریکیں چلانا تاریخ، حقائق

اور واقعات کو جھٹلانے والی بات ہے۔

مسٹر کیول رام ملکانی نے شعوری طور پر سندھ میں مسلمانوں کے مفادات کی نگران خانقاہ "بھرچونڈی شریف" کے کردار کو داغدار کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے ورنہ ملکانی صاحب ایسا سندھی مورخ ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہندو مسلم فسادات کی تاریخ سے بخوبی آگاہ ہے۔ انہیں اچھی طرح علم ہے کہ سکھر میں پہلا ہندو مسلم فساد انیسویں صدی کے آخر میں عاشورہ کے دنوں میں ہوا۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سندھ میں ہندو مسلم اتحاد ۱۹۲۴ء میں ختم ہو گیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوؤں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کی تھیں اور انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر سوقیانہ حملے شروع کر دیئے تھے۔ غالباً انہی حالات سے متاثر ہو کر مولانا دین محمد وفائی نے ۱۹۲۲ء میں کراچی سے ماہنامہ "توحید" اور محمد ہاشم مخلص نے میرپور خاص سے "مسلمان" کا اجرا کیا۔ اسی طرح دوسرے دردمند مسلمانوں نے اس مقصد کیلئے کئی اخبار مثلاً "مرغ"، "فلک" "طیرابابیل" "تنظیم" "الراشد" اور "دعوت اسلام" وغیرہ کے نام سے نکالے۔ اس محاذ پر مولوی نور محمد نظامانی، مولانا حکیم محمد صادق، مولانا دین محمد وفائی، مولانا حکیم فتح محمد سیوہانی اور شیخ عبدالمجید سندھی وغیرہ ڈٹ گئے ۱۹۲۵ء میں سکھر میں مجلس "اتحاد ملت" کا قیام بھی اسی جذبے کا آئینہ دار تھا۔

سندھ کو بمبئی سے آزاد کرانے کی تحریک چلی تو شروع میں ہندوؤں کی اکثریت نے اس کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں سندھ ہندو کانفرنس نے اس آزادی کے خلاف سخت اعتراضات اٹھائے اور ایجیٹیشن شروع کی۔ لندن میں اس مقصد کیلئے باقاعدہ ایک آفس قائم کیا گیا جس کے تمام اخراجات "سندھ مہا سبھا" نے

برداشت کیے۔

ڈاکٹر گڈگر بختیانی نے حکومتِ برطانیہ کو خوفزدہ کرتے ہوئے کہا سندھی، بلوچ پٹھان اور ایرانی مل کر ہندوستان پر حملہ کرنے والے ہیں چنانچہ متوقع حالات سے نمٹنے کیلئے ہندوؤں نے رضا کار بھرتی کرنے شروع کر دیئے۔ تمام مسلمان صحافیوں نے اس غلط پروپیگنڈے کی اچھی طرح قلعی کھول دی۔ شیخ عبدالمجید نے "الوحید" پیر علی محمد راشدی نے "ستارۂ سندھ" حافظ عبدالحمید نے "المنار" ڈاکٹر یامین نے "دعوتِ اسلام" آغا نظر علی نے "سندھ زمیندار" اور پیر حسام الدین راشدی نے ستارۂ سندھ کے مخصوص کالم "ملا کٹر" میں بڑی پامردی اور بے جگری سے مسلمانوں کا دفاع کیا۔

"خود مسجد منزل گاہ سکھر" کا واقعہ کسی فوری یا ہنگامی ردِّ عمل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس طویل کشمکش اور مذہبی و ثقافتی طور پر "بُعد المشرقین" طرزِ حیات کا لازمی نتیجہ اور کرشمہ تھا۔

سندھ میں بھرچونڈی شریف اور اس کی ذیلی خانقاہیں اور خلفا شروع ہی سے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص، ان کے مفادات کے تحفظ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے سرگرم عمل تھے یہی وجہ ہے کہ جب ہندو مسلم کشمکش نقطۂ عروج پر پہنچی تو ہندوؤں کی طرف سے پہلا نشانہ بھی یہی خانقاہ ٹھہری۔

باگڑجی ریلوے اسٹیشن پہ بھرچونڈی شریف کے نامور خلیفہ اور سندھ میں انگریزی استعمار کی بنیاد ہلانے والی شخصیت ابوالحسن مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ پر ہندوؤں نے قاتلانہ حملہ کیا۔[1] بعد میں موقع ملنے پہ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

[1] "تاریخ سکھر سندھی" ۳۶۱ مصنفہ مولائی شیدائی۔

کے بڑے صاحبزادے مجاہدِ ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید رحمۃ اللہ علیہ پہ سکھر میں قاتلانہ حملہ ہوا۔ سندھ کے نامور مؤرخ اور صحافی جناب رحیم داد خاں مولائی شیدائی اپنی کتاب "تاریخ سکھر" میں لکھتے ہیں۔

"ہندوؤں نے سکھر شہر کے عین درمیان پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے بڑے فرزند کو بے گناہ ضربات لگا کر زخمی کیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیر شہید پہ قاتلانہ حملے کے اسباب و وجوہ وہی تھے جو مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ پر حملے کے تھے اور وہ اسباب تھے ان بزرگوں کی اسلام سے والہانہ محبت! اور اس کی سربلندی کے لیے کوششیں۔

کنور رام اور ہاسا رام پمنانی ایم ایل اے کا قتل

انہی پُر آشوب حالات میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ہندوؤں کے مشہور روحانی پیشوا اور صوفیانہ کلام کے اعلیٰ درجے کے گلوکار کنور رام کا قتل ہو گیا۔ یہ شخص اپنی خوش گلوئی کی وجہ سے پورے سندھ میں مشہور تھا اس کے ساتھ ہندو عوام کا عقیدت و محبت کا رشتہ قائم تھا بلا کی رسیلی آواز پائی تھی۔ بڑے بڑے میلوں ٹھیلوں میں رات گئے پاؤں میں گھنگرو باندھ کر راگ شروع کرتا تو سماں بندھ جاتا۔ مجمع اس کی مٹھی میں ہوتا جو چاہتا منوا لیتا۔ اس بار بھی یہ پیر صاحب کی طاقت کو کچلنے کیلئے لاڑکانہ سے چندہ وصول کر کے آ رہا تھا کہ رک ریلوے اسٹیشن پر بندوق کے فائر سے مارا گیا۔ سندھ کے ہندوؤں نے کئی دن تک اس کا سوگ منایا۔ اور اسے اپنا قومی سانحہ قرار دیا۔ ہندوؤں کا یہ داغ ابھی خشک نہیں ہوا تھا کہ ۷ جولائی ۱۹۴۰ء کو ان کا مشہور قومی کارکن اور دہڑی سے

ایم ایل اے ہاسارام پمنانیؒ بھی روہڑی اسٹیشن کے قریب مارا گیا۔ چند روز پہلے مسٹر ہاسا رام پمنانیؒ نے اسمبلی میں بہت سخت تقریر کی تھی جس میں ہندوؤں کو جوش و جذبہ دلانے کے ساتھ ساتھ کھلم کھلا حضرت پیر عبدالرحمٰن کو طعن و تشنیع کا بہانہ بنایا تھا۔

مسٹر کیول رام ملکانی نے اپنی کتاب میں اس دور کے مسلمانوں پہ یہ الزام بھی لگایا ہے کہ اس وقت ان کے ہاں یہ نعرہ چل رہا تھا " ایک ہندو کا قتل سات حج کے ثواب کے برابر ہے "ے

اس بات میں کوئی صداقت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ تمام مسلم زعمآ اپنی قوم کو تحمل بردباری اور صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کی خاطر کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ کیسے کیسے دُکھ سہے۔ مگر انتقامی کارروائی کے بارے میں انہوں نے کبھی نہیں سوچا۔ اگر مسلم زعمآ خود اپنی قوم کو ہندو کشی کا اشارہ دیتے تو سندھ میں ایک بھی ہندو صحیح سالم نہ بچتا کیونکہ یہاں ہندو واضح اقلیت میں تھے البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان فسادات میں ہزاروں لوگ قتل ہوئے اور کروڑوں کی جائیدادیں تباہ ہو گئیں۔

مسجد منزل گاہ سکھر کا مسئلہ

قدرت کے ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں سندھ کی سرزمین پر بظاہر ایک سے ایک واقعہ جلتی پر تیل کا کام کر رہا تھا۔ کشت و خون اور جلاؤ گھیراؤ کا ایک طوفان برپا تھا مگر اس کے اندر قومی تشخص، اسلامی نظریۂ حیات اور مسلمانوں کے ملی شعور کا جذبہ دن بدن

ے THE SINDH STORY ۱۲۱

پروان چڑھ رہا تھا۔ بعد میں یہی جذبہ پاکستان کی بنیاد اور اساس بنا۔

اسی طوفانی دور میں ۱۹۳۹ ؁ء اچانک مسجد منزل گاہ سکھر کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مسجد منزل گاہ سکھر شہر میں سادھ بیلہ کے سامنے دریائے سندھ کے کنارے پہ ایک تاریخی یادگار ہے جسے مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے دور میں نواب محمد دریائی نے مسافروں کی عبادت اور آرام کے لیئے تعمیر کرایا تھا مسجد کے سامنے ایک وسیع میدان اور کنواں بھی موجود تھا نشانات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی زمانے میں ایک بڑا باغ تھا۔ پایۂ تخت دہلی سے جب کوئی فوج سندھ میں آتی تو اسی میدان میں منزل انداز ہوتی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام منزل گاہ پڑ گیا مسجد کے برابر ہندوؤں کا مندر تھا مسجد پہ ہندوؤں نے قبضہ کر کے اسے مسافر خانے کے طور پہ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ سکھر کے مسلمانوں نے حکومت بمبئی سے بارہا اپیلیں کی تھیں کہ یہ مسجد مسلمانوں کو دلائی جائے۔

سیاسی کھلاڑیوں نے موقع غنیمت جانا۔ خان بہادر محمد ایوب کھوڑو اور جی ایم سید وغیرہ نے مسجد ہندوؤں کے قبضے میں کا نعرہ لگایا۔ مقصد یہ تھا کہ اس بہانے خان بہادر اللہ بخش سومرو کو وزارتِ عظمٰی سے ہٹایا جائے۔ سندھ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے اس مسئلے کے لیئے ایک سب کمیٹی بنائی جس کا صدر خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کو مقرر کیا گیا۔ کھوڑو صاحب کی صدارت میں یہ فیصلے کیئے گئے۔

۱۔ موجودہ وزارت کی مسجد کے خلاف پالیسی پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔

۲۔ سندھ اسمبلی کے مسلمان اراکین سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ حکومت پہ دباؤ ڈال کر یہ مسجد مسلمانوں کو دلائیں۔ اگر وزارت ایسا نہ کرے تو تمام اراکین وزارت کا ساتھ چھوڑ کر اس کو ختم کر دیں۔

٣. سندھ کے مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے نمائندوں پر یہ واضح کر دیں کہ اگر وہ مسجد منزل گاہ کمیٹی کے فیصلوں پر عمل نہیں کر سکیں گے تو آئندہ ان کو منتخب نہیں کیا جائے گا۔

٤. ١٨ اگست کو مسجد منزل گاہ کا دن مقرر کیا گیا اس دن سندھ کے تمام شہروں، قصبوں اور گاؤں میں جلسے کر کے موجودہ وزارت پر رنج والم کا اظہار کیا جائے اور مسلمان اراکین سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ موجودہ وزارت کا ساتھ چھوڑ دیں۔

٥. اگر وزارت نے مسلمانوں کے مطالبات منظور نہ کئے تو آل انڈیا مسلم لیگ کو مسجد منزل گاہ حاصل کرنے کیلئے پہلی اکتوبر کو رضاکارانہ گرفتاریاں پیش کرنے کو کہا جائے گا۔ مسجد منزل گاہ کمیٹی کے سیکرٹری کو ہدایت کی گئی ہے کہ ٢٧ اگست کو سکھر میں کمیٹی کی میٹنگ بلائے اور کم ازکم پانچ ہزار رضاکار بھرتی کرنے کا کام شروع کرے اخراجات پورے کرنے کیلئے دس ہزار روپے جمع کیے جائیں جو حضرات رضاکار بننا چاہیں یا فنڈ میں رقم دینا چاہیں وہ آغا نظر علی سیکرٹری مسجد منزل گاہ کمیٹی یا خان بہادر کھوڑو سے خط وکتابت کریں۔ (پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ ٥٥-٥٦ ڈاکٹر غلام علی الانہ)

منزل گاہ تحریک اٹھانے والوں کی بات میں کشش تھی چنانچہ اس صدا پر شاہ وگدا ابل پڑے۔ مجاہد اسلام حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمتہ ایسے موقعوں پر کب خاموش بیٹھنے والے تھے آپ نے اپنی جماعت فقراء میں اعلان کرایا کہ ہر شخص مسجد کے لیئے ایجی ٹیشن میں شامل ہو۔ آپ ہزاروں کی تعداد میں مجاہد فقراء کا لشکر لے کر سکھر میں داخل ہوئے اور عید گاہ سکھر میں اپنا کیمپ لگایا۔

٢٧ اگست ١٩٣٩ء کو سکھر میں میٹنگ ہوئی جس میں ایک کمیٹی بنائی گئی حکومت

لکھا گیا کہ اگر اس مسئلے پر کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو احتجاج کیلئے مسلمان مجبور ہو جائیں گے سر حاجی عبداللہ ہارون کو سکھر میں رہ کر تحریک کو آگے بڑھانے کا کام سپرد کیا گیا تحریک کا کام آگے بڑھا اور مسلمانوں میں اشتعال بڑھا تو اللہ بخش سومرو وزیر اعلیٰ سندھ نے حاجی عبداللہ ہارون کو سکھر چھوڑنے کا حکم دیا۔ خان بہادر ایوب کھوڑو کو اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور عام کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کی جماعت مریدین کے ایک ہزار سے زیادہ افراد گرفتار ہوئے۔ حاجی عبداللہ ہارون کے سکھر چھوڑنے کے بعد جی ایم سید نے سندھ مسلم لیگ کے رہنما کی حیثیت سے تحریک کو جاری رکھا۔ یکم اکتوبر ١٩٣٩ء کو رضاکاروں نے بھوک ہڑتال شروع کی ادھر حکومت نے مسجد خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ پولیس نے آنسو گیس استعمال کی اور پہلے دستے کے طور پر ٣١٣ رضاکار گرفتار کر لیئے۔ ایک دستہ گرفتار ہوتا دوسرا دستہ فوراً اس کی جگہ لے لیتا۔ تین دنوں میں تقریباً ایک ہزار سے زیادہ آدمی گرفتار ہوئے۔ (میں سندھ لاء جدوجہد حصہ اول ٧٥: ٥٨ جی ایم سید)

جی ایم سید اپنی کتاب "جنب گذاریم جن سیں" میں لکھتے ہیں۔

"پیر صاحب اور ان کے ہزاروں مریدوں نے مسجد منزل گاہ کی ستیہ گرہ اور ہلچل میں حصہ لیا۔ آپ کا سلسلہ قادریہ تھا۔ آپ کے مرید ہُو ہُو کا ذکر کرتے ہوئے وجد میں آجاتے۔ مسجد منزل گاہ کی تحریک کے دوران یہ نظارے اکثر دیکھنے میں آتے۔

(جنب گذاریم جن سیں : ٢٣)

اللہ بخش وزارت نے جی ایم سید، آغا نظر علی، ڈاکٹر یاسین، نعمت اللہ قریشی، شیخ واجد علی، قاضی فضل اللہ، آغا غلام نبی پٹھان، پیر غلام مجدد سرہندی، سید صادق علی شاہ

اور شیخ اختر علی شکارپوری کو جیل بھیج دیا۔ مجاہد اعظم حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے مردانہ وار مسجد کا قبضہ حکومت سے حاصل کر لیا۔ وقتی طور پر اللہ بخش حکومت خاموش ہو گئی اور اچانک ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو تمام قیدی رہا کر دیئے گئے اور مسجد سے پولیس واپس چلی گئی۔ ایک ماہ کے قریب مسجد مسلمانوں کے قبضہ میں رہی مگر بھرچونڈی شریف کے سینکڑوں مجاہد فقرا گھر بار چھوڑ کر مسجد کی حفاظت کیلئے سربکف پہرہ دیتے رہے۔

مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا خیال کر کے اچانک اللہ بخش حکومت نے غیر قانونی قبضہ دان کے خیال میں ختم کرانے کیلئے پوری طاقت جھونک دی۔ پولیس جوتوں سمیت مسجد میں گھس گئی۔ لاٹھی چارج میں بے شمار فقرا زخمی ہوئے۔ آنسو گیس بے تحاشا پھینکی گئی۔ آپ کی جماعت کے درویش آدم فقیر مؤذن کی آنکھیں اس آنسو گیس سے ایسی خراب ہوئیں کہ بالآخر بصارت سے محروم ہو گئے۔

اللہ بخش وزارت نے اسے اپنی آن کا مسئلہ بنایا تو سندھ کے ہندو خم ٹھونک کر اس کی پشت پر آ گئے۔ دی سندھ سٹوری کے مصنف کیول رام ملکانی کا کہنا ہے کہ۔

"خان بہادر اللہ بخش سومرو نے پہلے افسروں کا ایک وفد بھیجا تاکہ وہ تحقیق سے معلوم کریں کہ یہ مسجد ہے یا نہیں۔ اس وفد نے واپس آ کر رپورٹ دی کہ عمارت کی اصل بنیادیں مل گئی ہیں اس میں محراب کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے مگر مسلم لیگ والوں نے یہ بات نہ مانی اور ۳ اکتوبر سے ۲۰ نومبر ۱۹۳۹ء تک مسجد کیلئے زبردست تحریک چلائی گئی۔ یہ تحریک جی ایم سید، کھوڑو اور حاجی عبداللہ ہارون کی سرکردگی میں چلی۔"

THE SINDH STORY : 121

اندازہ کیا جاتا ہے کہ مسجد پر دوبارہ قبضہ اسی رپورٹ کی بنا پر کیا گیا۔ خان بہادر

اللہ بخش سومرو کا اندازہ غلط ثابت ہوا اور حکومت کی اس سختی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مسجد کے گرد لگائی گئی خاردار باڑھ جس میں بجلی کی رو چھوڑی گئی تھی، فقرا کے ایک نعرۂ مستانہ کی تاب بھی نہ لا سکی۔ بالآخر حکومت نے اپنی عزت خاک میں ملتی دیکھ کر ایک اور بڑا تحقیقاتی بورڈ قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا سربراہ عدلیہ کا ایک جج مقرر ہوا۔ اس بورڈ نے انتہائی باریک بینی، معتبر شہادتوں، عمارت کی داخلی علامتوں اور ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم کے تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں اس عمارت کو باقاعدہ قدیم مسجد قرار دیا۔ اور یوں مسجد مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔

واضح ہے کہ شروع میں جن لوگوں نے اس مسئلے کو ہوا دی اور اٹھایا وہ اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے بعد اس سے الگ تھلگ ہو گئے مگر مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ یوم فتح تک اکیلے یہ جنگی لڑائی لڑتے رہے اور بالآخر مسجد حاصل کر کے رہے۔

جلیلؔ آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

پسِ دیوارِ زنداں

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہندو مسلم فسادات اور مسجد منزل گاہ کی تحریک میں حکومت اور ہندو اقلیت کو جو شکست اٹھانا پڑی وہ آسانی سے ہضم ہونے والی نہیں تھی۔ اب اللہ بخش وزارت ختم ہو چکی

تھی۔ اس کی جگہ ایک مسلم لیگی نے وزارتِ اعلیٰ کا قلمدان سنبھالا تھا۔ مگر حکومتیں آخر حکومتیں ہوتی ہیں حکومتوں کی آنکھ ہمیشہ ماتھے پہ ہوتی ہے اور بقول شورش کاشمیری اپنی مجبوری اور ضرورت کے وقت حکومتیں کنواری لڑکیوں کی معصومیت اور حیا کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں جبکہ مصلحت کی خاطر یہی حکومتیں فرعون اور دجال کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔

حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کو گرفتار کرنے کے منصوبے بننے لگے۔ سندھ کے اس واحد بلند پایہ لیڈر اور مجاہد کو عام حالات میں بھرچونڈی شریف سے گرفتار کرنا مسجد منزل گاہ سے بھی بڑے فساد اور خون خرابے کا باعث بن سکتا تھا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۴۰ کو آپ کو کسی بڑے افسر سے ملاقات کی خاطر سکھر بلایا گیا۔ گاڑی روہڑی اسٹیشن پر پہنچی تو طے شدہ منصوبہ کے مطابق فوراً آپ کے ڈبے پر بہت بڑا آہنی جال ڈال کر اسے دوسری گاڑی سے الگ کر لیا گیا۔ سکھر سے آپ کو کراچی لے جا کر جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ جیل میں بظاہر آپ کے ساتھ بہت اعزاز اور احترام کا سلوک روا رکھا گیا اے کلاس دی گئی۔ خلیفہ فتح محمد فقیر بطور خدمتگار ساتھ رہا۔ آپ کراچی جیل میں تقریباً سات ماہ نظر بند رہے۔

تجلی کی زد میں آتے ہیں پہلے وہی طیور

جو اس چمن سرا میں بلند آشیاں رہے

مصنف عباد الرحمٰن لکھتے ہیں

کراچی کی جیل زیارت گاہِ خلائق بن گئی۔ لوگ دور دور سے کشاں کشاں آنے لگے۔ زائرین کی تعداد روزانہ چار یا پانچ سو سے کم نہ ہوتی۔ اب اللہ بخش وزارت ختم ہو چکی تھی کرسیٔ وزارت پر میر بندہ علی تالپور متمکن تھے۔ زائرین کیلئے اجازت نامے پر خود وزیر اعظم کے دستخط ضروری قرار دیئے گئے۔ میر بندہ علی کی کوٹھی پر زائرین شیخ کا میلہ لگا رہتا۔ لوگ اجازت نامے پر دستخط کرانے کیلئے صبح و شام میر صاحب کی کوٹھی کا طواف کرتے رہتے مولوی مسافر خانہ

اور اس کے قریب چھوٹی مسجد اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھے فقراء شب و روز قرآن خوانی اور ذکرِ ربانی میں محو ہوتے۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ اگر شیخ نے تکمیل مدارج کے لیئے جیل کا انتخاب کیا ہے تو سالکوں نے بھی اپنے کاروبار تج کر مولوی مسافر خانے کی چار دیواری کو اپنے اربعینوں کیلئے منتخب کر لیا ہے۔ زیارت جیل کے بڑے دروازے کے بالائی کمرے میں ہوتی۔ ملاقات کے وقت ایک جیلر جو انگریز تھا اور اس کا نائب جو مسلمان اور حضرت شیخ کی بیعت سے سرفراز ہو چکا تھا ضرور موجود رہتے۔

ایک دفعہ آپ نے اس فقیر (حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمتہ) سے دورانِ زیارت فرمایا۔ لوگ تو جیل کی چار دیواری کو منحوس اور مشئوم سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بہت بابرکت جگہ ہے اس لیئے کہ خدا کا تصور جو تمام عبادات کا سرچشمہ ہے یہاں نمایاں ہو کر دلوں میں گھر بناتا ہے"۔

اب تمام جیل والے چور اچکے، بدمعاش، ڈاکو شرفِ صحبت سے مشرف ہو کر عبادت اور ذکرِ الٰہی کے ذوق سے آشنا ہو چکے ہیں۔ نہ کسی کی تہجد فوت ہوتی ہے اور نہ اشراق۔ دونوں وقت ذکرِ الٰہی کے حلقے، نماز باجماعت اور اشغال باطنی کے ورد شروع ہیں جنہوں نے پوری عمریں رہزنیوں میں گنوائیں۔ ایک ہی نگاہ نے ان کی کایا پلٹ دی۔

بھرچونڈی شریف کے مجاہدین کی نقل و حرکت کی سختی سے نگرانی کی جانے لگی۔ کچھ لوگوں کو اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا، کچھ گرفتار ہوئے۔ حکومت اپنی پوری کوشش کر رہی تھی۔ فسادات کی ساری ذمہ داری حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمتہ اور ان کی جماعت پہ ڈالی جائے مگر طرح طرح کی عیارانہ سازشوں کے باوجود حکومت کو کوئی مواد ہاتھ نہ آیا۔ جماعت کا ہر فرد بجائے خود عزم و استقلال کا ایک کوہِ گراں تھا۔ کسی آدمی سے کوئی بات

معلوم کرنا یا منوا لینا آسان کام نہ تھا۔ سات ماہ کا عرصہ حکومت نے کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر آپ کو نظر بند رکھا۔

بے گناہی کم گناہے نیست در دیوانِ عشق
یوسف از پاکیٔ داماں خود بزنداں مے رود

نظر بندی کے دوران آپ کے مشائخ کے سجادہ نشین حضرت پیر سید محمد افضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گیلانی سجادہ نشین پیر کوٹ سدھانان ضلع جھنگ کا خط جیل میں آیا خط کا سرنامہ یہ شعر تھا۔ ؎

بہر جا کہ باشی خدا یارِ تو
محمدؐ ہمیشہ نگہدارِ تو

خط میں ایک فقرہ تھا کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کو آپ کی ذات پر فخر ہے۔ آپ نے حضرت سید محمد افضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط ادب کی وجہ سے کھڑے ہو کر سنا۔

سیاست شطرنج کے مہروں کی بساط ہے۔ ابھی آپ جیل ہی میں تھے کہ مسلم لیگی وزارت ختم ہو گئی۔ اور خان بہادر اللہ بخش سومرو دوبارہ وزارتِ اعلیٰ کی مسند پر متمکن ہو گئے ابھی خان بہادر اللہ بخش سومرو کو یہ کرسی سنبھالے ہوئے ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حسبِ ذیل واقعہ رونما ہوا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا میر جعفر خاں جمالی کے ذریعے اللہ بخش سومرو کو پیغام

سرکارِ دو جہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں میر جعفر خاں جمالی رحمۃ اللہ علیہ کو دیدار سے مشرف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ بخش کو میرا پیغام دو کہ پیر صاحب کو

رہا کر دے۔ میر جعفر خاں جمالی مرحوم خان بہادر اللہ بخش سومرو کے پاس چل کر گئے اور انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ اب کس کی مجال تھی کہ وہ مقبولِ بارگاہِ نبوی اس اللہ والے کو نظر بند رکھ سکے۔[1]

چنانچہ اپریل ۱۹۴۱ء میں آپ کو رہا کر دیا گیا۔ آپ واپس تشریف لائے تو اس وقت مسجد کو مسجد تسلیم کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ آپ نے آتے ہی اعلان فرمایا کہ آئندہ جمعہ مسجد منزل گاہ میں پڑھا جائے گا۔ اعلان کیا تھا گویا صورِ اسرافیل تھا انسانوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ سندھ کے علاوہ بہاولپور تک کے لوگ بھی پہنچ گئے معلوم ہوتا تھا کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر آسمان سے فرشتے اتر پڑے ہیں۔ اجتماعِ عظیم اور شان و شوکت کے اعتبار سے فاتح سندھ محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جو حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی امامت میں اس سرزمین پر پڑھا گیا۔ اقبال (نظیری) کا مردِ غوغا اسی روز دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ؎

شبے یک حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ "مردِ غوغا نیست"

آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس میں شرکت

ہر چند پاکستان کیلئے آپ کی جدوجہد اور مساعی کا میدانِ عمل صوبہ سندھ تھا کیونکہ سندھ ایک اہم بندرگاہ اور باب الاسلام ہونے کے باوجود ہندوؤں کی اقتصادی اور سیاسی بالادستی اور وڈیرہ شاہی کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا تھا مگر آپ ملکی حالات اور سیاست سے بھی بے تعلق نہیں تھے۔ ایک طرف آپ کے تعلقات انگریزی استعمار کے

---

[1] مکتوبات امین الملت ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷

مخالفین سے قائم تھے تو دوسری طرف مسلم لیگ کی مرکزی قیادت بھی آپ سے تعلق رکھنے پر مجبور تھی۔ تحریک آزادی وطن کی خدانخواستہ ناکامی کی صورت میں انگریزی سامراج سے نمٹنے کیلئے بھی آپ کی تیاریاں اور منصوبے برابر جاری تھے اسی سلسلے میں آپ نے راقم السطور کے والد گرامی اور اپنے انتہائی معتمد حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کو سرحد کے معروف مجاہد اور انگریزوں کے کٹر دشمن فقیر ایپی مرحوم اور پیر سید امین الحسنات پیر مانکی شریف کے پاس بھجوایا۔ حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر صاحب اور پیر مانکی شریف کو حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا پیغام پہنچایا اور مستقبل میں انگریز کے خلاف مشترکہ جدوجہد پر ان سے اتفاق کیا۔ حاصل کیا۔ ان دونوں زعماء سے آپ کے برابر تعلقات قائم رہے۔

اس دوران ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے جاں نثار علمائے کرام کے علمی اور روحانی جانشین فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، شاگرد اور جانشین ان کے فتوے کے مطابق انگریز کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے خلاف بھی کھل کر میدان میں آ گئے۔ فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو ٹھیک اسی طرح غلط اور ناجائز قرار دیا جس طرح انگریز و مسلم اتحاد غیر اسلامی اور غلط تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو جدا قوم قرار دیا اور تمام غیر مسلم اقوام کو دوسری۔

مشہور مؤرخ اور کالم نگار میاں عبدالرشید مرحوم لکھتے ہیں:

When the Pakistan Resolution was passed in 1940 the efforts of Hazrat Barelvi Bore fruit and all his adherents and followers including ulama and spiritual leaders, rose as on men to support

the Pakistan movement. Thus the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-i-Azam

ISLAM IN NIDO - PAKISTAN SUBCONTINENT
LAHORE - 1977 - 67

۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو حضرت بریلوی کی کوششیں بار آور ہوئیں اور علمائے کرام اور پیران عظام سمیت آپ کے پیروکار اور متوسلین جسد واحد بن کر تحریک پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اس طرح قیام پاکستان میں حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور قائداعظم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپ کے تلامذہ، خلفاء اور نظریاتی و فکری طور پر آپ کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ہزاروں رہنما تحریک پاکستان کے پرجوش داعی بن کر میدان عمل میں دیوانہ وار نکل آئے۔ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مجاہد اسلام پیر محمد امین الحسنات مانکی شریف علیہ الرحمۃ (م ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء)

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) ابن مولانا احمد رضا خان

عمدۃ الفضلاء مفتی صاحبداد خان صاحب رح (م ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۶۵ء)

مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی قادری رح (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی (م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء)

مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رح (م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) خلیفہ امام احمد رضا